ہفت روزہ

ندائے خلافت

۲۱ فروری ۱۹۹۴ء

☆ قاضی حسین احمد سے اتفاق واختلاف کی تفصیل

☆ فرنگ الجزائر کو "مذہبی جنونیوں" کے حوالے نہیں کرے گا

☆ نواز شریف کی جنگ جویانہ حکمت عملی پر ایک نظر

حركة المقاومة الاسلامية

حرکت مقاومت اسلامی جس کا مخفف "حماس" ہے، فلسطینی مسلمانوں کی وہ تنظیم ہے جس نے دسمبر ۱۹۸۷ء میں اسرائیل کو ناکوں چنے چبوا دینے والی ایک ایسی سرگرمی کا آغاز کیا جو دنیا بھر میں "انتفاضہ" کے نام سے مشہور ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں کو مذاکرات پر آمادہ کرنے والی حماس کی یہی مظاہراتی اور مزاحمتی سرگرمی تھی جس نے اسرائیل کے داخلی امن و سکون کو غارت کر کے رکھ دیا تھا ورنہ عرب حکومتوں اور پی ایل او کی "ہوائی فائرنگ" سے تو صیہونیوں کے کانوں پر جوں بھی رینگ کر نہیں دی۔ تاہم امریکہ اور اسرائیل کی ملی بھگت سے نام نہاد میں امن مذاکرات کے عنوان سے مکر و فریب کی جو بساط بچھائی گئی تھی اس پر عیاری کے کھیل میں عربوں نے مات کھائی کیونکہ وہ اپنے جرم ضعیفی سے بری نہ ہو سکے جس کی سزا مرگ مفاجات ہے۔ عرب حکومتوں کو تو گویا اسی بات کا انتظار تھا کہ اس پریشانی ہی سے گلو خلاصی ہو جو ان کے اعصاب پر کبھی کبھار بوجھ بن جاتی ہے اور خود پی ایل او کے جناب یاسر عرفات بڑھاپے کی دہلیز میں قدم رکھتے ہوئے محسوس کرنے لگے تھے کہ بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی کو غنیمت سمجھنا چاہئے' ایک آزاد فلسطینی ریاست کی سربراہی کے خواب کی تعبیر عراق کی عسکری تباہی اور سرد جنگ کے خاتمے کے بعد پریشان ہو گئی تو یاسر عرفات نے دل کا ارمان نکالنے کے لئے اپنے وطن یعنی موجودہ اسرائیل کے محض دو فی صد رقبے پر بلدیاتی سطح کی حکومت کا تاج ہی سر پر سجانا منظور کر لیا۔ غزہ اور اریحہ میں فلسطینوں کو عطا کی جانے والی داخلی خود مختاری اسی کے مترادف ہے۔

حماس کے پولیٹکل بیورو کے رکن اور ایک اہم رہنما جناب خالد مشعل نے اپنے حالیہ دورۂ پاکستان میں لاہور کے رفقائے تنظیم اسلامی اور معاونین تحریک خلافت پاکستان سے بھی خطاب فرمایا۔ حماس کو سیکولر پی ایل او کے مقابلے میں بطور ایک نظریاتی اسلامی مزاحمتی تحریک متعارف کرانے کے علاوہ انہوں نے اس مشکل صورت حال سے بھی ہمیں آگاہ کیا جس سے فلسطینی مسلمان دوچار ہیں۔ انہوں نے اس اندیشے کی بھی توثیق کی جس کا برملا اظہار امیر تنظیم اور داعی تحریک جناب ڈاکٹر اسرار احمد بابری مسجد کی شہادت کے بعد سے کرتے آ رہے ہیں کہ بابری مسجد کے سانحے پر بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کی بے حسی کے مشاہدے نے اسرائیل کو قبلہ اول کے انہدام کی جرات دلا دی ہے جسے اول آخر اس نے شہید کرنا ہی ہے کیونکہ یہودیوں کے بقول ہیکل سلیمانی کی بنیادیں انہوں نے مسجد اقصیٰ کے نیچے کھدائی کر کے دریافت کر لی ہیں۔ جناب خالد مشعل نے پی ایل او کی حکمت عملی کے برعکس کشمیر' افغانستان اور بوسینا کے مسائل کو بھی اپنے مسائل قرار دیا اور کہا کہ حماس بھی اسی امت مسلمہ کا ایک حصہ ہے جو دنیا بھر میں یہود و ہنود اور نصاریٰ کی سازشوں کے دام ہمرنگ زمین سے بچ نکلنے میں ناکام ہوئی جاتی ہے۔ ان کی یہ پریشانی بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اسرائیلی حکومت آئندہ خود فلسطینیوں کے ہاتھوں حریت پسند مسلمان فلسطینیوں کے گلے کٹوائے گی۔

حماس کو دنیا بھر کے مسلمانوں کے تعاون اور دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اخلاقی مدد کے علاوہ یہ تنظیم مالی امداد کی امید بھی رکھتی ہے کیونکہ جناب خالد مشعل کے بیان کے مطابق حماس کو کسی بھی حکومت اور ایک بھی حکمران سے کوئی عطیہ موصول نہیں ہوتا' پورا انحصار عام مسلمانوں کے ایثار پر ہے۔ OO

قیمت ۵ روپے

نہی عن المنکر کا ایک بے ضرر لیکن موثر انداز

کام کے ہر میدان میں نئے تجربات ضروری ہیں

میم سین

میں حیدر آباد جانے کے لئے الکرم اسکوائر پہنچا تو بھائی عبدالعظیم کو اپنا منتظر پایا۔ وہ اس چکر میں تھے کہ کوئی ایسی کوچ مل جائے جس میں وی سی آر کی لعنت نہ ہو' لیکن ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ مجبوراً ایک کوچ میں سوار ہونا ہی پڑا۔ وی سی آر پر کوئی فلم چل رہی تھی۔ جب بس میں گانے یا فلم چل رہے ہوں تو ایسی صورت میں کوئی مسنون دعا پڑھتے ہوئے عجیب سا لگتا ہے۔ میں ایسے میں استغفار کا ورد شروع کر دیتا ہوں۔ شاید اسی طرح اللہ تعالیٰ اس خباثت کے اثرات سے محفوظ رکھے۔

کنڈکٹر جب ٹکٹ لینے کے لئے پہنچا تو میں نے کہا کہ اگر برا نہ مانو تو ایک سوال کروں۔ جی ضرور کیجئے کنڈکٹر نے کہا۔ میں نے کہا کہ اگر خدانخواستہ بس کو کوئی حادثہ پیش آ جائے اور ہم پر موت طاری ہونے لگے تو کانوں میں تو انہی گانوں کی آواز رہے گی۔ ایسے میں کیا زبان سے کلمہ نکل سکتا ہے۔ اس نے کہا یہ تو ہے۔ میں نے کہا اس کا مطلب سمجھتے ہو۔ جواب ملا۔ تباہی۔ میں نے کہا تو بھائی ایسا کرتے کیوں ہو؟ کہنے لگا۔ جی مجبوری ہے۔ ابھی میں وی سی آر بند کئے دیتا ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ گاڑی آن واحد میں خالی ہو جائے گی۔ میں نے کہا۔ لیکن اس طرح حاصل کی ہوئی روزی حلال تو نہ کہلائے گی۔ شاید میری اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا لہٰذا وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

اب مجھے ایک ترکیب سوجھی۔ میں نے جیب سے ایک پرچی نکالی اور اس پر لکھا کہ برائے کرم اس کو پڑھ کر آگے والے مسافر کو دیدیں تاآنکہ یہ ڈرائیور تک پہونچ جائے۔ اس کے بعد میں نے سورۃ نور کی اس آیت کا ترجمہ لکھا جس میں مسلمانوں کے درمیان فحاشی پھیلانے والوں کو دنیا میں ذلت و خواری اور عاقبت میں عذاب الیم کی وعید دی گئی ہے۔ اس کے بعد میں نے لکھا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فحاشی سے بچنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی کہا کہ شیطان تمہیں فحاشی کا حکم دیتا ہے۔ گویا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور شیطان کے حکم کی پیروی کر رہے ہیں۔ کیا یہ ایک مسلمان کے شایانِ شان ہے؟

کاغذ کی یہ پرچی لوگوں کے ہاتھوں سے ہوتی ہوئی ڈرائیور تک پہونچی اور ہم نے دیکھا کہ وی سی آر بند کر دیا گیا۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اتنے میں کنڈکٹر ہمارے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ صاحب ہمارا ڈرائیور پنج وقتہ نمازی ہے اور اس نے آپ کے کہنے پر وی سی آر بند کر دیا ہے۔ ہم نے سوچا کہ سعید روحوں سے ابھی دنیا خالی نہیں ہوئی۔

حیدر آباد سے واپسی پر ہم نے دیکھا کہ کنڈکٹر ہاتھ میں وی سی آر کا کیسٹ لہرا لہرا کر لوگوں کو آوازیں لگا رہا تھا۔ میرے ذہن میں فوراً اسی حدیث نبوی ﷺ کا خیال آیا جس میں انہوں نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب مسلمان نہ صرف یہ کہ برائی سے روکنا چھوڑ دیں گے بلکہ برائی کی طرف لوگوں کو بلائیں گے۔ اس وقت صحابہ کرام ؓ اجمعین کو بڑا تعجب ہوا تھا۔ کاش کہ ان میں سے کوئی آج موجود ہوتے تو اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کی پیشینگوئی کی عملی تصویر دیکھ لیتے۔ بہرحال واپسی میں بھی ہم نے وہی حربہ آزمانا چاہا۔ سامنے دو حضرات جو بظاہر کسی مدرسے کے طالب علم لگتے تھے ان میں سے ایک کو پرچی تھمائی گئی۔ پہلے ان میں سے ایک نے اس پرچی

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

تحریکِ خلافت پاکستان

کے آغاز کا مقصد

○

۱) پاکستان کے مسلمان عوام میں وہ شعور بیدار کرنا جو دین کی تعلیمات پر مبنی ہو۔

۲) پاکستان کے عوام تک یہ پیغام پہنچانا کہ نظام خلافت کیا ہے' اس کی ضرورت کیوں ہے اور یہ کیونکر برپا کیا جا سکتا ہے۔

۳) نظام خلافت کے قیام کی تحریک کے لئے پاکستان کے مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنا۔

۴) معاشرے کے موجودہ نامنصفانہ اور استحصالی نظام کی گمراہیوں اور خرابیوں کی جانب عوام کو متوجہ کرنا۔

۵) نظام خلافت کی برکات سے پاکستان کے عوام' مسلم و غیر مسلم سب کو روشناس کروانا۔

اگر آپ تحریک خلافت پاکستان کے درج بالا مقاصد سے اتفاق رکھتے ہیں تو آگے بڑھئے اور درج ذیل پتہ پر ایک خط لکھ کر تحریک خلافت سے متعلق لٹریچر مفت طلب فرمائیے۔

مرکزی دفتر تحریک خلافت پاکستان۔ خلافت بلڈنگ ۴/۱ اے مزنگ روڈ لاہور۔ 54000

فون: 358970-311668

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور

جلد ۳ شمارہ ۸

۲۱/ فروری ۱۹۹۴ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرون پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۳ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۰ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۶ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ " "

افتتاحیہ

کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں!

۱۴/ فروری کے سب اخبارات نے اس انٹرویو کو شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا جو گزشتہ شب پاکستان کی وزیرہ عظمیٰ بے نظیر بھٹو کی اپنی آواز میں بی بی سی سے نشر ہوا تھا جس کا اہم ترین حصہ صاف لفظوں میں یہ کھلا اعتراف ہے کہ بے نظیر صاحبہ نے اپنے پچھلے دور حکومت میں مشرقی پنجاب کا مسئلہ حل کرنے میں بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی کی مدد کی تھی۔

اس اعتراف پر ردعمل کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا ہے اور حزب مخالف کو تو ایسا موقع اللہ دے تاہم امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد کا بیان جو اس موقع پر اخبارات کو جاری کیا گیا' وہ سنجیدہ غور و فکر کا مستحق ہے۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے بی بی سی کو دیئے گئے انٹرویو کی جو تفصیلات آج کے اخبارات میں شائع ہوئی ہیں انہیں پڑھ کر یقین نہیں آتا کہ کسی ملک کی وزیر اعظم کی طرف سے ایسی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ بھی کیا جا سکتا ہے اور ساتھ ہی حیرت کا اظہار بھی کیا کہ امداد کی نوعیت اور اس کا جواز بتائے بغیر' محض یہ کہہ کر کہ "ہم نے مشرقی پاکستان کا مسئلہ حل کرنے میں راجیو کو مدد فراہم کی تھی" آخر کیا مقصد حاصل کیا گیا سوائے اس کے کہ شکوک و شبہات کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ملکوں کے درمیان باہمی جھگڑے طے کرنے کے لئے "کچھ لو اور کچھ دو" کے اصول کی عملی افادیت سے اگرچہ انکار نہیں کیا جا سکتا مگر کچھ حاصل کئے بغیر بھارت کی مدد کرنے کا اعزاز کسی سنجیدہ اور ذمہ دار حکومت کے لئے قابل رشک ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حکومتی حلقوں کی طرف سے پہلے تردید اور اب وزیر اعظم کی طرف سے اس کی تصدیق کا اجراء اخلاقی دیوالیہ پن کی علامت ہے۔ اگر یہ خدمت بعض حساس سرکاری دستاویزات غیر قانونی طور پر بھارت کے حوالے کر کے انجام دی گئی جس کا بے نظیر کی سابقہ حکومت پر الزام لگایا گیا تھا' تو یہ معاملہ ملکی سلامتی کے اعتبار سے اور بھی زیادہ تشویشناک ہو جاتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ملک میں کوئی بھی ایسا قومی ادارہ موجود نہیں جو اتنی بڑی حرکت کا نوٹس لے سکے! ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اگر بھارت کے ساتھ درپردہ تعاون کے اس واقع کو بین الاقوامی فورم پر بیان کرنے کا مقصد اپنی نیک چلنی کی یقین دہانی کرانا اور اس طرح یورپ اور امریکہ کی خوشنودی کا حصول ہے تب بھی ایسی کوشش ملک و قوم کے وقار کے صریحاً منافی ہے۔ ملکی استحکام اور بقاء کے لئے ٹھوس اور مثبت قدم اٹھانے کی بجائے مغرب کی چاپلوسی کو قومی شعار بنائے رکھنا کسی بھی اعتبار سے ملک و قوم کے مفاد میں نہیں ہے۔

اس بیان کی شرح ہو سکتی ہے لیکن بہرحال اصولی باتیں تو اجمالاً کہہ ہی دی گئی ہیں۔ ان کا یہ کہنا البتہ غور طلب ہے کہ کیا ملک میں کوئی بھی ایسا قومی ادارہ موجود نہیں جو اتنی بڑی جسارت پر گرفت کر سکے!۔ افسوس کہ اس کا اصل فورم یعنی قومی اسمبلی کسی مثبت رویے کے اظہار سے بالکل 'معذور ہو چکا ہے۔ وہاں بجائے اس کے کہ معاملہ کے ہر متعلقہ پہلو پر سنجیدہ غور و فکر کے بعد یہ طے کیا جائے کہ اس حرکت کے نتائج ملک کے حق میں کیا نکلے اور ان کی روشنی میں کثرت رائے سے فیصلہ ہو کہ بے نظیر صاحبہ اپنے موجودہ منصب کی اہلیت سے محروم تو نہیں ہو گئی ہیں' ہو گا یہ کہ آستینیں چڑھا کر غیظ و غضب کے اظہار میں گالم گلوچ سے بڑھ کر ہاتھا پائی تک کی نوبت آ جائے گی اور اس ہنگامے میں سپیکر صاحب کو اجلاس برخواست کر دینے کا موقع دستیاب ہو جائے گا۔ لے دے کے دادرسی کی ایک ہی صورت ہے جو دستور کی آٹھویں ترمیم میں صدر مملکت کے بدنام زمانہ صوابدیدی اختیار سے نکلتی ہے۔ ہمارے موجودہ صدر جناب فاروق احمد لغاری اگر اپنے دعوے میں سچے ہیں اور پارٹی وابستگی سے واقعی بلند ہو چکے ہیں تو انہی کو ملک کے مفاد کا تحفظ کرنے کی غرض سے آگے بڑھنا چاہئے ورنہ فطرت کی تعزیریں تو سبھی جانتے ہیں کہ بہت سخت ہوتی ہیں!۔OO

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۱۸۳-۱۸۴)

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے ایمان والو' تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسے کہ یہ فرض کیا گیا تھا ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے'

(فرضیت صیام کا ذکر سورۃ البقرہ کے رکوع نمبر ۲۳ میں وارد ہوا ہے اور اس ایک رکوع میں روزے کی غرض و غایت' فضیلت ماہ صیام کی اصل بنیاد' روزے سے متعلق فقہی احکام اور روزے کا اصل حاصل' ان تمام مضامین کا کمال جامعیت کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے۔ اہل عرب کے لئے روزے کی عبادت اگرچہ غیر مانوس تھی لیکن سابقہ شریعتوں میں یہ عبادت کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ موجود رہی۔ چنانچہ بطور ترغیب و تشویق روزے کی فرضیت کے حکم کے ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ اے مسلمانو' تم پر کوئی انوکھی عبادت فرض نہیں کی جا رہی' سابقہ رسولوں کی امتوں پر بھی روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا' اس عبادت کو تو ہمیشہ دین و شریعت کے مستقل جزو کی حیثیت حاصل رہی ہے)

تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو○

(روزے سے اصل مقصود تقویٰ کا حصول ہے۔ یہ ضبط نفس کی تربیت کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ روزے کی حالت میں ایک انسان اپنے آپ کو مرغوبات دنیا سے روک کر رکھتا ہے' وہ جرائم کے ارتکاب ہی سے باز نہیں رہتا بلکہ بہت سی حلال چیزوں کے استعمال سے بھی رک جاتا ہے۔ گویا روزہ نفس کو کنٹرول میں لانے' اسے حرام خوری سے اور گناہ و معصیت میں ملوث ہونے سے رکے رہنے کی خو ڈالنے کا باعث بنتا ہے اور اسی کا نام تقویٰ ہے)

چند روز ہیں گنتی کے'

(کہ سال کے ۳۶۵ دنوں کے مقابلے میں انتیس یا تیس دن معدودے قلیل کے درجہ میں آتے ہیں۔ لہٰذا ہمت کرو اور اس عظیم عبادت کے لئے خود کو پورے طور پر تیار کرو---- یہاں ان مفسرین کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے جن کے نزدیک اس رکوع کی ابتدائی دو آیات کا تعلق رمضان کے روزے سے نہیں بلکہ اس ابتدائی حکم سے ہے جس کی رو سے ہر مہینے تین دن روزہ رکھنا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ بعد میں جب رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا حکم آیا تو یہ پہلا حکم ساقط ہو گیا اور سال کا ایک مہینے روزے کی عبادت کے لئے مخصوص ہو گیا)

تو جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے'

(روزہ دار کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ اگر بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو تو اسے اختیار ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔ لیکن بعد میں تعداد کا پورا کرنا ضروری ہو گا)

اور جو طاقت نہ رکھتے ہوں روزے کی ان کے ذمے بدلہ ہے ایک فقیر کا کھانا'

(یہ رعایت روزے کے ابتدائی حکم کے ساتھ تھی کہ اگر صحت و عافیت کے باوجود تم روزہ رکھنا نہ چاہو تو بطور بدل ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا کرو---- بعد میں یہ رعایت ختم کر دی گئی)

تو جو کوئی مزید نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور یہ کہ تم روزہ رکھو یہ زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو○

(کہ اگر زیادہ مساکین کو کھانا کھلاؤ یا دو وقت کی بجائے تین یا چار وقت کھانا کھلاؤ تو یہ تمہارے اجر و ثواب میں اضافے کا موجب ہو گا۔ لیکن اگر تم سمجھ اور شعور رکھتے ہو تو جان لو کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے---- اس سے تقویٰ کی جو دولت تمہیں حاصل ہو گی اس کا متبادل اور کوئی چیز نہیں بن سکتی!)

نواز شریف کی جنگ جویانہ حکمت عملی پر ایک نظر

نیپ کے رہنما
یا پنجابی فلموں کے ہیرو اور ولن

ملک کے خارجی معاملات کو داخلی امن کی ضرورت ہے

عبدالکریم عابد

جناب نواز شریف کو ان کے مخلصین کا مشورہ تھا کہ وہ بے نظیر صاحبہ کے اقتدار کو کچھ عرصہ کے لئے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کریں۔ اگرچہ بے نظیر صاحبہ نے اقتدار کی خاطر بدترین بے اصولی کا مظاہرہ کیا اور نواز شریف کو گرانے کے لئے اس شخص سے صلح کرلی جس کو صرف پیپلزپارٹی ہی کے لوگ نہیں بلکہ تمام جمہوریت پسند نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جس کے داماد کے کرتوتوں کا خاص نشانہ پیپلزپارٹی تھی' تو نواز شریف بھی پہلے یہی کچھ کر چکے تھے اور کسی طرح کی کسر انہوں نے بھی نہیں چھوڑی تھی۔ یوں حساب برابر ہو گیا تھا اور پرانی باتوں کو اس لئے بھی رفت گزشت سمجھنا چاہئے تھا کہ پاکستان اپنی تاریخ کے نازک اور فیصلہ کن لمحات سے دوچار ہے اور اس کا تقاضہ باہمی مفاہمت تھا۔ مفاہمت کی اس قومی ضرورت سے قطع نظر خود نواز شریف کی بھی یہ سیاسی ضرورت تھی کہ وہ اپنا سیاسی مستقبل سنوارنے کے لئے کچھ وقت حاصل کرتے اور اپنی مقبولیت کی اساس پر ایک ٹھوس تنظیم قائم کرتے اور مسلم لیگ میں نئی جان پھونکتے۔

میاں نواز شریف کے لئے یہ کام سیاسی عناد کے جذبہ کی تسکین سے زیادہ ضروری تھا اور وہ اسی کو کرتے تو اس پر وہ ہر طرف سے داد و تحسین حاصل کرتے اور ان کا گراف مزید بلند ہوتا۔ انہوں نے پارلیمنٹ میں ابتدا میں ایک تقریر مفاہمانہ لب و لہجہ میں ضرور کی لیکن اس کے بعد وہ کسی بھی مفاہمت سے صاف انکاری ہو گئے اور اب تک انکاری ہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ بے نظیر سرے سے محب وطن ہی نہیں ہیں اور پاکستان کو توڑنا' برباد کرنا چاہتی ہیں اس لئے ان سے اور ان کی پیپلزپارٹی سے کوئی سمجھوتہ ہو ہی نہیں سکتا۔

مدعی سست گواہ چست کے مصداق ان کے نیپ کے حلیف ہیں جو صوبہ سرحد کو نیا افغانستان بنانے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ نیپ کے لیڈروں کے بیانات ایسے ہیں کہ وہ پنجابی فلموں کے بڑھکیں مارنے والے ہیرو یا ولن نظر آتے ہیں۔ اس منظر نے نواز شریف کے حامیوں اور ساتھیوں کو پریشان کر دیا ہے کیونکہ بے نظیر کی مخالفت کے باوجود وہ جنگ و جدل کو اتنا بڑھانا نہیں چاہتے کہ ملک افراتفری کی طرف چلا جائے یا سیاسی نظام کی بساط ہی الٹ جائے اور تمام سیاستدانوں کو بیک بنی دوگوش منظر سے ہٹا دیا جائے۔

جناب نواز شریف سمجھتے ہیں کہ سیاسی مفاہمت بے نظیر حکومت کی ضرورت ہے۔ اس سے وہ استحکام حاصل کرے گی اور یہ موقع ہم انہیں کیوں فراہم کریں۔ ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ حالات کو ایجی ٹیشن کی طرف لے جائیں۔ شہری آبادی ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے' ہم اسے سڑکوں پر لا کر حکومت کا تختہ الٹنے کی منصوبہ بندی میں حق بہ جانب ہیں' لیکن نواز شریف کو اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ بے نظیر کو ہماری فوج امریکہ سے معاملہ کرنے کے لئے لائی ہے۔ اس معاملہ کے لئے انتہائی کوشش بھی ہے اور امید بھی۔ فوج کے سربراہ جنرل وحید امریکہ کا دورہ کرنے والے ہیں' معین قریشی بھی عالمی بینک کے افسروں کے ساتھ ورود فرمانے والے ہیں۔ بہت سے معاملات پر گفتگو ہو رہی ہے اور سب کچھ زیر تصفیہ ہے۔ ان حالات میں فوج بے نظیر کو چلتا نہیں کرے گی۔ بے نظیر حکومت کی ضرورت ہیں اور جب تک معاملات کسی ایک کروٹ پر نہ بیٹھیں' یہ ضرورت باقی رہے گی اس لئے نواز شریف کو انتظار کرنا چاہئے تھا مگر انہوں نے جو بے وقت طبل جنگ بجا دیا ہے اس کے نتیجہ میں وہ ہزیمت بھی اٹھا سکتے ہیں۔

یہ امکان بھی ہے کہ طاقت کے سرچشمے نواز شریف سے مزید ناراض ہو جائیں کہ جب ہم بیرونی قوتوں سے معاملہ کر رہے ہیں تو یہ شخص داخلی محاذ پر گڑبڑ پیدا کرکے ہمارے لئے نیا مسئلہ پیدا کرنا چاہتا ہے' ذرا بھی صبر کرنے کے لئے تیار نہیں اور مرنے مارنے پر تلا ہوا ہے اس لئے ایسے دیوانے کا کوئی مستقل انتظام ہونا چاہئے۔ فی الحال تو صدر فاروق لغاری سے کہا گیا ہے کہ کوئی مصالحت کرائیں' خواہ یہ عارضی مصالحت ہو مگر ابھی فریقین کو گتھم گتھا ہونے سے روکنا ضروری ہے تاکہ خارجی محاذ پر معاملات کو نمٹانے کے لئے امن و سکون کی فضا رہے۔

نواز شریف کی جنگ پسندی تو ظاہر ہے' ان میں یہ صلاحیت اور اہلیت بھی نہیں کہ اپنے معاندانہ جذبات کو چھپا سکیں مگر بے نظیر ہوشیار خاتون ہیں۔ اندر سے وہ بھی اپنے مخالفین کو ملیا میٹ کرنا چاہتی ہیں مگر ظاہری طور پر مصالحت پسندی کا تاثر دے رہی ہیں۔ اس دکھاوے کے باوجود ان کے اندر کافی جنگ پسندی ہے اور وہ سمجھتی ہیں کہ اپنے مدمقابل عناصر کی

جڑ کاٹنے میں کوئی کمی نہیں کرنی چاہئے اور جو اقتدار ملا ہے وہ اس مقصد کے لئے پوری طرح استعمال ہونا چاہئے۔ اسی لئے انہوں نے ایم کیو ایم سے بھی مصالحت نہیں کی کہ اس مصالحت کے بعد انہیں سندھ کے اقتدار میں شریک کرنا پڑتا اور وہ سمجھتی ہیں کہ کم از کم سندھ میں ان کے اقتدار کو لا شریک ہونا چاہئے۔ اس معاملہ میں انہوں نے اپنے بھائی کی شرکت بھی گوارا نہیں کی اور ماں سے بھی لڑائی کر لی۔

سندھ کا اقتدار بے نظیر کے لئے یوں اہم ہے کہ مرکز کے اقتدار کو وہ آنی جانی چیز سمجھتی ہیں اور سندھ کو اپنا مضبوط "بیس" دیکھنا چاہتی ہیں کیونکہ پنجاب اب "بیس" نہیں رہا نہ سرحد یا بلوچستان ہو سکتا ہے اس لئے سندھ کی ضرورت بڑھ گئی ہے' اور سندھ جناب زرداری کے لئے بھی اہم ہے کہ ان کا شمار سندھ کی اشرافیہ میں نہیں ہے۔ حاکم علی زرداری نے کراچی میں زمینوں کے کاروبار کے کمیشن' چوری کی موٹروں کی خرید و فروخت اور اس طرح کے دوسرے الٹے سیدھے کاموں سے دولت کمائی مگر یہ دولت انہیں یا ان کے صاحبزادے کو امرائے سندھ اور شرفائے سندھ کی برادری میں جگہ نہیں دلا سکی اور آصف زرداری چاہتے ہیں کہ سندھ ان کے خاندانی اقتدار کا پایہ تخت ہو۔

شوہر کی اس خواہش کا بیوی بھی پوری طرح ساتھ دے رہی ہے لیکن اب بھائی صاحب' والدہ محترمہ' پیر پگاڑا' ایم کیو ایم اور دوسرے لوگوں کا متحدہ محاذ بن گیا ہے جو اس پایہ تخت کا تخت کھینچنا چاہتا ہے۔ سندھ کی اس لڑائی کے ساتھ سرحد' بلوچستان اور پنجاب کی جنگ اقتدار بھی ہے۔ پنجاب میں پیپلز پارٹی کے ٹارزن' فیصل صالح حیات کو ناکام واپس ہونا پڑا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنگ ختم ہو گئی ہے۔ پیپلز پارٹی کے ۹۴ ارکان کے سینے پر اٹھارہ ارکان کے رہنما منظور وٹو مونگ دل رہے ہیں اس لئے بے نظیر اور ان کی پارٹی خاموش نہیں رہے گی اور اپنا آدمی وزیر اعلیٰ بنانے کا ہر جتن کرے گی۔ سرحد اور بلوچستان کا اقتدار بھی بے نظیر غیروں کے لئے برداشت نہیں کر سکتی ہیں' ان کے والد نے بھی ان صوبوں میں مخالف حکومتوں کو گوارا نہیں کیا تھا اور بے نظیر بھی اسے دیکھنے' ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ سرحد کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ حکومت سرحد واپڈا کو پرائیویٹائز کرنے کی مخالف ہے۔ اس ضمن میں سابق صدر غلام اسحاق نے روڑے اٹکائے۔ معین قریشی کی نگران حکومت نے قانونی رکاوٹوں کو دور کر دیا مگر سرحد حکومت کا موقف ہے کہ جو کچھ معین قریشی نے کیا' وہ ہم نہیں مانتے اور واپڈا کو پرائیویٹائز نہیں ہونے دیں گے' اس میں صوبہ کا مالی نقصان ہے۔ کالا باغ ڈیم پر بھی سرحد حکومت نے مستقل اڑچن ڈال رکھی ہے اور بے نظیر اپنے سرپرستوں کے دباؤ کی وجہ سے اب یہ چاہتی ہیں کہ کالا باغ ڈیم بننے کی راہ ہموار کی جائے اس لئے سرحد کے ساتھ مرکز کی جنگ کا یہ پس منظر بھی ہے کہ واپڈا کی پرائیویٹائزیشن اور کالا باغ ڈیم کے بننے کی راہ میں سرحد حکومت کی رکاوٹ کو ختم کیا جائے مگر اس ضمن میں جھگڑا کافی بڑھ گیا ہے' خون خرابہ کا اندیشہ ہے اور بالا دست طاقتیں معاملہ کو رفع دفع کرنا چاہتی ہیں۔ امریکہ' آئی ایم ایف اور عالمی بینک بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ افہام و تفہیم سے کام نکالنا چاہئے' جنگ و جدل کی نوبت نہیں آنی چاہئے۔ اس سلسلہ میں امریکی سفیر متحرک ہو گئے ہیں' سیاستدانوں سے ملاقاتیں کر رہے ہیں کیونکہ عنقریب جو بہت سی باتیں کشمیر' ایٹمی مسئلہ' ہند و پاک تعلقات' مالیاتی اصلاحات وغیرہ پر طے ہوئی ہیں ان پر امریکہ دونوں فریقوں کے انگوٹھے ثبت کرانا چاہتا ہے اور ہماری طاقت کے سرچشمے بھی یہ خواہش رکھتے ہیں کہ وہ سب کو سب باتوں پر رضامند کر لیں تاکہ جرات مندانہ فیصلے ہو سکیں ورنہ آپس کی لڑائی ختم نہیں ہوگی اور جنگ و جدل کا یہی منظر ہوگا تو ملک کے لئے کوئی دوسرا انتظام سوچنا پڑے گا اور یہ انتظام غیر سیاسی طاقتیں غیر سیاسی طریقے سے کریں گی۔

بظاہر نظر یہ آتا ہے کہ بے نظیر اپنے اقتدار کا تسلسل رکھنے کے لئے جو کچھ فوج کہے گی اسے مان لے گی مگر نواز شریف کا موڈ اپنی مونچھ نیچی کرنے کا نظر نہیں آتا۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلم لیگیوں کے اتحاد کے ذریعہ ایک نئی مسلم لیگ بنائی جائے جس کی باگ ڈور نواز شریف کے ہاتھ میں نہ ہو اور اس مسلم لیگ کو اوپر لایا جائے۔ اس لئے جناب

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

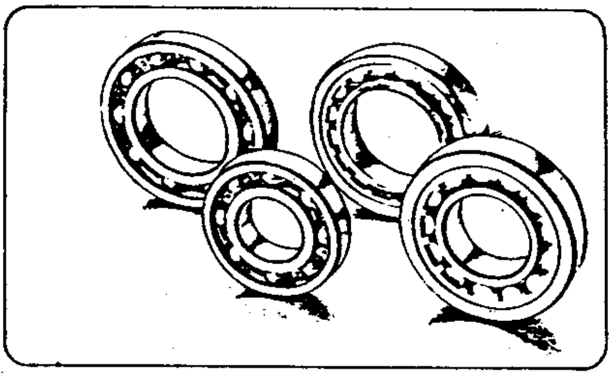

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

ڈاکٹر اسرار احمد، داعیٔ تحریک کے خطباتِ خلافت

(قسط دوئم)

دنیا کی بساط لپٹنے سے پہلے نظامِ خلافت ضرور قائم ہو گا

مرتبہ: نثار احمد ملک

ایک حدیث مبارکہ کی روشنی میں تاریخ اسلام کا تجزیہ

اللہ کا دین غالب ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت ہی غلبہ دین حق ہے۔ لیکن اس کے لئے سرفروشی، جانفشانی اور جہاد و قتال کے مراحل تو مومنین صادقین کو ہی طے کرنے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:" یاایھا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم "یعنی اے اہل ایمان کیا میں تمہاری رہنمائی اس تجارت کی طرف کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلادے۔ "تومنون باللہ ورسولہ " پختہ ایمان رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم" اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔ "ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون" اگر تم علم حقیقی رکھتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

یہاں ٹھہر کر سورۂ صف کی اس آیت پر ہمیں اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۵ میں نظام خلافت کے قیام کے لئے دو شرائط آئی تھیں یعنی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ وعدہ مشروط تھا۔ اس مقام پر بھی دو ہی شرائط آئی ہیں یعنی ایمان و جہاد فی سبیل اللہ۔ وہ ایمان، عمل صالح اور جہاد کون سا ہے جس سے کہ پھر یہ وعدے پورے ہوسکتے ہیں۔ یہ بات اس اعتبار سے بھی بہت اہمیت رکھتی ہے کہ ہمارے ذہنوں میں ایمان و عمل صالح اور جہاد کے بھی تصورات بڑے محدود اور مسخ شدہ ہیں۔ اس لئے ایمان و عمل صالح کی حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

سورۂ صف کی مذکورہ بالا آیت میں دو وعدے مذکور ہیں جبکہ سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۵ میں تین وعدے آئے ہیں۔ سورہ نور کی آیت میں جن وعدوں کا ذکر آیا ہے ان کا تعلق دنیا سے ہے۔ یعنی اے مسلمانو! تمہیں خلافت عطا کریں گے، دنیا میں تمہارا دین غالب ہوجائے گا اور دنیا میں تمہاری خوف کی کیفیت امن سے بدل دی جائے گی۔ سورۂ صف کی مذکورہ بالا آیت میں پہلے آخرت کا نتیجہ بیان کیا ہے۔ یعنی اے ایمان والو اگر تم اللہ پر حقیقی ایمان رکھو گے اور جہاد فی سبیل اللہ پر کاربند رہو گے تو تمہارے گناہ بخش دے گا، تمہیں جنتوں میں داخل کرے گا اور ہمیشہ ہمیش کے باغات میں تمہیں نہات پاکیزہ مسکن عطا کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ "ذالک الفوز العظیم" یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس مقام پر ہمارے value structure کو بھی صحیح کر دیا گیا۔ اصل کامیابی دنیا کی نہیں ہے. آخرت کی ہے۔ اس لئے آگے چل کر contrast میں فرمایا کہ "واخری تحبو نھا" ایک اور شے جو تمہیں پسند ہے۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہاں در حقیقت اس بات کی مذمت کی گئی ہے کہ یہ تمہاری انسانی سرشت ہے جس کی وجہ سے تم دنیا کی فتح و کامیابی کو اہمیت دیتے ہو۔ اللہ کی نگاہوں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر اہمیت ہو تو آن واحد میں فتح عطا کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں تو تمہاری آزمائش و امتحان ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون اس آزمائش میں پورا اترتا ہے۔ حضرت حمزہؓ اپنی آنکھوں سے فتح مکہ کا منظر نہیں دیکھ سکے۔ کیا وہ ناکام ہوگئے۔ حضرت سمیہ اور حضرت یاسرؓ تو مکہ میں شہید ہوگئے۔ مدینہ کا دارالامن دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا۔ لہٰذا اصل کامیابی ثابت قدمی ہے۔ ایمان و عمل صالح کا حق ادا کرتے ہوئے جان، جان آفریں کے سپرد کردینا ہی فوز عظیم ہے۔

اس کے بعد اب دنیا سے متعلق وعدے آئے ہیں۔ فرمایا "واخری تحبو نھا نصر من اللہ و فتح قریب "یعنی اللہ کی طرف سے مدد آیا چاہتی ہے اور فتح تمہارے قدم چوما چاہتی ہے۔ "وبشر المومنین" اور اے نبی ہمارے مومن بندوں کو بشارت دے دیجئے۔ تمہاری سخت آزمائشوں کا زمانہ اب ختم ہوا چاہتا ہے۔ تم نے ثابت کردیا ہے کہ تم ایمان و عمل صالح کا حق ادا کر چکے ہو۔ نیز جہاد کے تقاضے بھی پورے کردیئے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جو ہمیں قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش انتہا تک پہنچ جائے اور اہل ایمان ثابت قدمی واستقلال کا ثبوت دے دیں تب اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔ بالکل اسی انداز اور قاعدے کے تحت یہاں بھی مومنین کو خوشخبری سنائی گئی ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ تاریخی اعتبار سے یہ وعدہ استخلاف و نصرت کتنا جلدی پورا ہوا۔ مذکورہ بالا آیات ۵ھ کے آخر یا ۶ھ کے اوائل میں نازل ہوئیں۔ ۶ھ کے ذی القعدہ میں صلح حدیبیہ ہوگئی اور قرآن نے اعلان کردیا کہ "انا فتحنا لک فتحا مبینا" صلح حدیبیہ کو فتح مبین کیوں کہا گیا ہے؟ دیکھئے قرآن مجید میں فتح مکہ کا ذکر اس اہتمام سے نہیں کیا گیا۔ ہمارے معیار کے اعتبار سے تو فتح مکہ بڑی فتح تھی جبکہ اس کا قرآن میں ذکر ہی نہیں قرآن حکیم صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دے رہا ہے۔ غور کیجئے کہ ۴۸ء کی فتح یہود کے لئے اتنی بڑی فتح ہے نہ ہی ۶۷ء کی فتح۔ یہود کے لئے بڑی فتح یہ ہے کہ آج تمام عرب ممالک اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ توہین و تذلیل کا یہ عالم ہے کہ سب کو ایک

نیمل پر بلایا ہے۔ اس پر تو وہ کبھی بھی تیار نہیں ہوئے سوائے مصر کے کوئی عرب ملک اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اب سب کو "میڈرڈ" میں بلا کر بٹھایا ہے۔ یہ میڈرڈ کس جگہ کا نام ہے۔ یہ اسپین ہے۔۔۔

روئے اب دل کھول کر اے دیدہ خوننابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار

عربو! یہاں آکر بیٹھو جہاں تم نے آٹھ سو برس حکومت کی تھی۔ جہاں سے تمہارا بچہ بچہ ختم کیا گیا۔ اس سے قبل دنیا میں "میڈرڈ" کے مقام پر کوئی بین الاقوامی کانفرنس نہیں ہوئی۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ ۶ھ کو صلح حدیبیہ ہوگئی۔ ۷ھ میں خیبر فتح ہوگیا۔ مسلمانوں کی تنگ دستی ختم ہوئی۔ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ ۹ھ میں پورے جزیرہ نمائے عرب سے اعلان کر دیا گیا کہ "براۃ من اللہ و رسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین" یعنی آج کے بعد مشرکین سے کوئی معاہدہ نہیں۔ ایک سال کے اندر اندر جزیرہ نمائے عرب سے کفر و شرک کا خاتمہ کردیا گیا۔ سورۃ توبہ میں Moping up operation کا اعلان کر دیا گیا۔ جب کہیں فتح حاصل ہوجاتی ہے تو کہیں کہیں Pockets of resistance باقی رہ جاتے ہیں۔ یہ صفائی ۹ھ میں ہوئی ہے۔ ۹ھ کے اختتام یا ۱۰ھ کے اوائل تک "جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اللہ کا دین غالب ہوگیا۔ نظام خلافت کا وعدہ پورا ہوگیا۔ نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد ۲۴ برس کے اندر اندر دریائے جیحوں سے لے کر بحر اوقیانوس تک نظام خلافت غالب ہوگیا۔ گویا ان آیات کے نزول کے تیس برس کے اندر اندر کتنے بڑے رقبے پر وہ کیفیتیں پوری ہوگئیں کہ "لیستخلفنھم فی الارض ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا"

گویا یہ ہے اس وعدہ استخلاف اور وعدہ نصرت و فتح کی تکمیل اولی۔ البتہ اس کے بعد کیا ہوا۔ اس وقت سے لے کر اب تک ہم کن کن وادیوں سے گزرے ہیں۔۔۔

کون سی وادی میں ہے، کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں

اب تیرہ سو اکتیس برس کی داستان ہے۔ ۶۳۲ء میں نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہوا۔ تیس برس خلافت راشدہ کے نکال دیجئے۔ اس حساب سے تیرہ سو اکتیس سال بنتے ہیں۔ اگر ہم اپنی کوشش سے اس داستان کو مختصر کر کے بھی بیان کرنا چاہیں تو بات بہت طویل ہوجائے۔ لیکن یہ عظمت کلام نبوی ﷺ ہے کہ ہم اسی پوری داستان کو ایک حدیث نبوی سے سمجھ لیں گے۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث مبارک میں اپنے زمانے سے لے کر قیامت تک پانچ ادوار کا ذکر کیا ہے۔ ہماری پوری تاریخ اس اس میں سمٹ کر آگئی ہے۔ مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے جسے حضرت نعمان بن بشیرؓ نے روایت کیا ہے۔ فرمایا "تکون النبوہ فیکم ماشاء اللہ ان تکون" مسلمانو! تمہارے درمیان نبوت رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ یعنی میں تمہارے مابین بنفس نفیس موجود رہوں گا۔ اس کے بعد "انک میت وانھم میتون" اے نبی آپ کو موت آئے گی اور ان کو بھی آئے گی۔ فرمایا "ثم یرفعھا اللہ اذا شاء ان یرفعھا" پھر جب اللہ چاہے گا اس نبوت کو اٹھالے گا۔ اس کے بعد آپ نے دوسرے دور کا ذکر فرمایا "ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ" یعنی پھر دور ہوگا خلافت کا جو نبوت کے نقش قدم پر ہوگی۔ یہ الفاظ بڑے ہی قابل غور ہیں۔ عام طور پر ہمارے ہاں جو لفظ زیادہ معروف ہے وہ خلافت راشدہ کا ہے۔ یہ اصطلاح حدیث میں نہیں آئی۔ خلفائے راشدین کا لفظ آیا ہے "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین" کہ میری سنت کا اتباع کرو اور میرے خلفاء راشدین المھدیین کی سنت کا اتباع کرو۔ خلافت کے لئے جو صفت آئی ہے وہ عام نہیں ہے۔ اللہ نے ہمیں توفیق دی ہے کہ ہم اپنی تقاریر و مطبوعات کے ذریعے "خلافت علی منہاج النبوہ" کی اصلاح کو عام کر رہے ہیں۔ "خلافۃ علی منھاج النبوہ" کے معنی ہوں گے بعینہ نبوت کے نقش قدم پر خلافت۔ یہ "بعینہ" کا لفظ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ خلافت راشدہ میں وہ نظام جو محمد عربی ﷺ نے بنفس نفیس قائم کیا تھا "بعینہ، بتمامہ اور بکمالہ" جوں کا توں قائم رہا۔

اس ضمن میں ایک مثال میں دے دیتا ہوں۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد مبارک میں مانعین زکوٰۃ کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نازک موقع پر حضرت عمرؓ جیسے عظیم شخص نے مصلحت اندیشی کا مشورہ دیا۔ دو محاذ پہلے کھلے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جیش اسامہؓ بھیج دیا کہ اسے حضورؐ نے تیار کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس جیش کو نبی اکرمؐ نے علم اپنے دست مبارک سے دیا ہو اسے روک دوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ دوسرا محاذ جھوٹے مدعیان نبوت کی طرف سے کھل چکا ہے۔ ان کے ساتھ تو ہمیں ہر صورت لڑنا ہے۔ اس لئے کہ ان کا کفر تو بالکل واضح ہے۔ مسلمانوں کے دل نبی اکرمؐ کے انتقال کی وجہ سے زخمی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب تیسرا محاذ نہ کھولیئے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا Reaction بڑا ہی سخت تھا۔ حضرت عمرؓ کو ڈانٹ پلا دی۔ حضرت ابوبکرؓ کا یہ مقام ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کو ڈانٹ پلا سکتے ہیں۔ صحابہ میں سے صرف وہی پلا سکتے تھے اور کسی کا یہ مقام نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ اے عمر! تم جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے اسلام میں آکر تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ دوسری بات جو فرمائی اس کے لئے میں نے یہ ساری بات آپ کے سامنے رکھی۔ فرمایا "ء یبدل الدین وانا حی" کیا دین میں ترمیم کی جائے گی جبکہ میں ابھی زندہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر حضورؐ کے زمانے میں یہ لوگ زکوٰۃ کے اونٹوں کے ساتھ ان کو باندھنے کی رسیاں بھی دیتے تھے اگر اب یہ کہیں کہ ہم اونٹ تو دیتے ہیں لیکن رسی نہیں دیتے تب بھی میں ان سے جنگ کروں گا۔ اس موقع پر ایک حوالہ اس دور کا بھی دیتا جاؤں۔ اس وقت تو کیمونزم قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ کچھ سال پہلے کی بات ہے۔ جب روسیوں پر الزام تھا کہ انہوں نے اپنے نظریے میں ترمیم کر دی ہے۔ یہ مارکس ازم کے اوپر قائم نہیں رہے۔ اس وقت کہا گیا کہ انہوں نے Russion Nationalism کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ کسی بھی نظریاتی انقلاب کے ساتھ ایسا ہوتا ہے۔ ابتدا میں ذرا سی ترمیم ہوتی ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ نیچے آنا پڑتا ہے۔۔۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے موقف پر غور کریں۔ آپ نے اپنے خطبہ میں فصاحت و بلاغت کی بھی انتہا کر دی۔ کہاں اونٹ کی قیمت اور کہاں اس کی رسی! لیکن جناب صدیق اکبرؓ کو اتنی سی ترمیم بھی گوارا نہ تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے جذبات کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم اور کوئی میرے ساتھ جائے یا نہ جائے میں تن تنہا جاؤں گا اور ان سے جنگ کروں گا۔" یہ بات بھی نوٹ کریں

کہ امت نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یونہی افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق کا مقام نہیں دے دیا۔ آپ جیسا رقیق القلب انسان اس مقام پر ہمیں عزیمت و استقلال کا کوہ ہمالہ نظر آتا ہے۔ اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ خلافت علی منہاج النبوۃ سے معانی و مراد کیا ہے۔ اسے ہی عرف عام میں خلافت راشدہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حضورؐ نے مذکورہ بالا حدیث میں فرمایا کہ یہ نظام بھی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ اس کے بعد یہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اس مقام پر اس نقطہ پر بھی غور کر لینا چاہئے کہ کیا حضور کا "دور" "دور خلافت" تھا یا نہیں؟ وہ بھی خلافت تھی۔ قرآن خود کہتا ہے کہ " یداود انا جعلنک خلیفۃ فی الارض " درحقیقت یہ بھی خلافت ہے اس خلافت کو اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ماڈل کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ " لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ " اب قیامت تک جو بھی نظام ہوں گے انہیں اس کے حوالے سے پرکھا جائے گا۔

اس کے بعد نبی اکرمؐ نے مذکورہ بالا حدیث میں تیسرے دور کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا " ثم تکون ملکا عاضا " یعنی پھر ایک دور آئے گا ملوکیت کا۔ یہ کاٹ کھانے والی ملوکیت ہوگی۔ قرآن حکیم میں آتا ہے۔ " یوم یعض الظالم علی یدیہ " حضور ﷺ نے اس دور کے بارے میں کہا کہ " فتکون ماشاء اللہ ان تکون " پھر یہ دور بھی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ " ثم یرفعہا اللہ اذا شاء اللہ ان یرفعہا " پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اسے بھی اٹھائے گا۔

خلافت راشدہ یا خلافت علی منہاج النبوۃ کے بعد جس نظام کو عرف عام میں خلافت کہا جاتا ہے حدیث نبویؐ میں اسے ملوکیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہم اسے ان معنوں خلافت سے تعبیر کر سکتے ہیں کہ وہاں کتاب و سنت کی مکمل بالادستی تھی۔ یہ بالادستی خلافت بنوامیہ میں بھی تھی، بنو عباس میں تھی اور خلافت عثمانیہ میں بھی رہی ہے۔ لیکن دولت کی تقسیم کا نظام بدل گیا۔ دور بنوامیہ کے ۹۰ برس دراصل عبوری دور ہے۔ خلافت علی منہاج النبوۃ سے ملوکیت تک بات ایک دن میں نہیں پہنچ گئی۔ اصل ملوکیت تو دور بنو عباس سے شروع ہوگی۔

بہرحال بنوامیہ کی حکومت بھی ظالم تھی، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ حضرت حسین ابن علی کے ساتھ کربلا کے میدان میں کیا ہوا۔ اس واقعہ سے بچہ بچہ واقف ہے۔ اس لئے کہ اس کا ذکر بڑے اہتمام سے بڑے وسیع پیمانے پر ہوتا ہے۔ بالکل یہی کچھ عبداللہ ابن زبیرؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ہوا۔ انہیں بے دردی سے ذبح کیا گیا۔ حرمت حرم کو بٹہ لگا ہے۔ اسی دور میں واقعہ حرہ ہوا ہے۔ تین دن تک مدینے کو لوٹ مار کیا گیا ہے۔ مدینہ منورہ کے اندر خواتین کی بے حرمتی ہوئی حجاج بن یوسف کے ہاتھوں سینکڑوں تابعین شہید ہوئے۔ میرے نزدیک اس سے بھی بڑا ظلم یہ تھا کہ محمد بن قاسم کو بلا کر شہید کر دیا گیا۔ وہ نوجوان تھا لیکن اس قدر پارسا کہ ہندوؤں نے اپنے عقیدے کے مطابق اسے اوتار قرار دیا۔ اس کی مورتیاں بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔ ایسے متقی اور عادل حکمران کو اگر موقع مل جاتا تو ہندوستان پورا فتح ہو جاتا۔ لیکن اس سے ملوکیت کو بہت بڑا خطرہ لاحق ہو جاتا۔ وہاں تو سوچنے کا انداز یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص اتنا ہردلعزیز ہو گیا تو ہمارا اقتدار تو خطرے میں پڑ جائے گا! محمد بن قاسمؒ کا بھی یہی جرم تھا۔ تاریخ خاموش ہے، بے گناہ بلایا گیا اور شہید کر دیا گیا۔ جو کچھ محمد بن قاسمؒ کے ساتھ ہوا ،عنیہ موسیٰ بن نصیرؒ کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے شمالی افریقہ کا اکثر و بیشتر حصہ فتح کیا تھا۔ طارق بن زیادؒ حضرت موسیٰ بن نصیر کے ادنیٰ کمانڈر تھے موسیٰ بن نصیرؒ کو بھی ذلیل کیا گیا۔ دھوپ میں کھڑا کیا گیا۔ بہت بوڑھے تھے۔ بے ہوش ہو کر نیچے گرے۔ خطرہ دونوں سے ایک بات کا تھا کہ ہماری بادشاہت کو خطرہ لاحق نہ ہو جائے۔ یہ حالت تو دور بنو امیہ کی ہے! اس کے بعد بنو عباس میں جو کچھ ہوا وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ جو ٹھاٹ اس دور میں جتے ہیں، کوہ قاف کا سارا نسوانی حسن بغداد کے محلوں میں آ رہا ہے۔ پھر رقص و سرور کی جو محفلیں سجائی گئی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ یہ تیسرا دور جسے نبی اکرمؐ نے "کاٹ کھانے" والی ملوکیت سے تعبیر کیا ہے۔

چوتھا دور آپ نے فرمایا " ثم تکون ملکا جبریا " پھر ایک اور ملوکیت آئے گی۔ آپ نے فرمایا وہ مجبوری والی ملوکیت ہوگی۔ ان دونوں ملوکیتوں میں فرق کیا ہے؟ اس کی کوئی شہادت ہمارے پاس موجود نہیں ہے کہ حضورؐ سے سوال کیا گیا ہو۔ اس وقت اس سے کیا سمجھا گیا ہو اس کا ہمیں علم نہیں۔ آج ہمارے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس سے مراد کیا ہے۔ پہلا ملوکیت کا دور وہ تھا جب ملوک مسلمان تو تھے۔ لیکن اس کے بعد جو ملوکیت ہم پر مسلط ہوئی وہ غیر مسلموں کی تھی۔ یہ مغربی استعماریت کا دور ہے۔ ہم برطانیہ کے غلام، فرانس کے غلام، اٹلی کے غلام اور ولندیزیوں کے غلام ہوتے چلے گئے۔ یہ چوتھا دور ہے جس کی حدیث مبارکہ میں خبر دی گئی ہے۔

یہ چوتھا دور ابھی ختم نہیں ہوا۔ ایک اعتبار سے ختم ہوا ہے لیکن ایک اعتبار سے ابھی جاری ہے۔ ختم اس اعتبار سے ہوا ہے کہ براہ راست غلامی ختم ہو گئی ہے۔ لیکن بالواسطہ یعنی "Direct Rule" یا "Rule by Proxy" ابھی برقرار ہے۔ پوری امت مسلمہ ان کے شکنجے میں ہے۔ ہماری معیشت اور وسائل ان کے قبضے میں ہیں۔ ہمارے ذہن ان کے قابو میں ہیں۔ ذہنی، فکری اور تہذیبی اعتبار سے ہم ان کے غلام ہیں۔ علم اور ٹیکنالوجی میں ہم ان کے بھکاری ہیں۔ دراصل یہ چوتھا دور جزوی طور پر ختم ہوا ہے لیکن معنوی اعتبار سے اس کا تسلسل ابھی جاری ہے۔ اس بات کو کراچی بس سٹاپ کے حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کراچی میں لانڈھی، کورنگی اور نیو کراچی وغیرہ میں جو Bus Stops آتے ہیں ان میں پہلے تین نمبر آتا ہے پھر ساڑھے تین نمبر پھر چار نمبر پھر ساڑھے چار نمبر آتا ہے۔ ہم اس وقت ساڑھے چار نمبر پہ کھڑے ہیں۔ اس غلامی کا جو صلہ ابھی باقی ہے وہ پہلے سے زیادہ تلخ ہے۔ اس کے شدائد و مصائب پہلے سے کہیں بڑھ کر ہوں گے۔

زیر بحث حدیث مبارکہ میں حضورؐ نے فرمایا " ثم یرفعہا اللہ اذا شاء ان یرفعہا " پھر اس دور کو بھی ختم ہونا ہے۔ اس کے بعد آپ نے آخری دور کا ذکر فرمایا کہ " ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ "۔ کا۔ یہ ہے وہ "نوید جانفزا" وہ خوشخبری جو موجودہ مایوس کن حالات میں جو نبی اکرمؐ نے سنائی ہے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ جو اس حدیث مبارکہ کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ " ثم سکت رسول اللہ " بھی اس کے بعد اللہ کے رسول خاموش ہو گئے! مذکورہ بالا حدیث مبارکہ مولانا مودودی مرحوم نے قدرے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "تجدید احیاء دین" میں نقل کی ہے۔ مذکورہ روایت میں باقی مضمون تو وہی ہے جو میں نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کو روایت کردہ حدیث کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اس روایت میں اضافی مضمون یہ ہے کہ جب "خلافت علی منہاج النبوۃ" کا نظام قائم ہو جائے گا" تو لوگوں میں معاملہ سنت محمد ﷺ کے مطابق ہوگا اور اسلام اپنے جھنڈے زمین میں گاڑ دے گا۔ پھر اس نظام سے آسمان والے بھی راضی ہو جائیں گے اور زمین والے بھی راضی ہو جائیں گے۔ آسمان

اپنا ایک قطرہ بھی نہیں روکے گا' موسلادھار بارش کی شکل میں زمین پر نازل فرمادے گا۔ اور زمین بھی اپنے خزانوں میں سے نباتات اور برکات کچھ نہیں روکے گی۔ ساری کی ساری اگل دے گی۔" گویا اس حدیث مبارکہ میں اس نظام خلافت کی اضافی شان وارد ہوئی ہے۔ افسوس کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے حوالہ نہیں دیا۔ میں نے امکانی حد تک کوشش کی ہے کہ حوالہ تلاش کروں لیکن تاحال معلوم نہیں ہو سکا۔

اگر معروضی حالات کو دیکھا جائے تو یہ خبر ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے ایمان کا تقاضہ ہے کہ جب نبی ﷺ کو مان لیا کہ وہ الصادق المصدوق ہیں تو ان کی ہر خبر پر ایمان لانا لازم ہے۔ حدیث صحیح ہے لہٰذا ایمان لانا ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ہمیں یقین آئے یا نہ آئے ایسا ہو کر رہے گا۔

اب چند باتیں بیسویں صدی عیسوی کے حوالے سے عرض کرنی ہیں تاریخ انسانی میں بیسویں صدی سے زیادہ گھمبیر دور کوئی نہیں گزرا۔ اس صدی میں دو عظیم مملکتوں کا ایسا خاتمہ ہوا کہ نام و نشان تک مٹ گیا۔ اس صدی کے آغاز میں سلطنت عثمانیہ جو تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی' نیسا منسیا ہو گئی جبکہ اس صدی کے اختتام پر U.S.S.R جیسی سپر طاقت "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا" کی تصویر بن گئی۔ کیا عجب کہ اسی صدی میں کوئی تیسری طاقت بھی اسی طرح پگھل کر رہ جائے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ امریکہ کا یہ انجام دور نہیں ہے۔ امریکی معیشت بہت بڑے بحران کا شکار ہے۔ امریکی معیشت کا اصل "Lever" یہود کے ہاتھ میں ہے۔ یہودی جب چاہیں گے ایک جنبش میں سب کچھ ختم کر دیں گے۔ میں تو ان تمام حقائق کو دو اور دو چار کی طرح جانتا ہوں۔ وقت دور نہیں ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کریں گے۔ مسلمان ممالک میں سے اس کے راستے میں کوئی مزاحم نہیں ہے۔ یہود کے راستے میں اگر مزاحم ہو گا تو امریکہ ہی ہو گا لہٰذا وہ پہلے اس کا خاتمہ کریں گے۔ جو لوگ مغرب کے حالات کا مطالعہ صیہونی تحریک کے عزائم کے پس منظر میں کرتے ہیں وہ یقین کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ امریکہ کا یہ انجام دور نہیں ہے۔

(جاری ہے)

مسلمان ملکوں کی تقدیر
اغیار کے ہاتھوں میں ہے

اُمّتِ مسلمہ کی بے حسی اور بے بسی

محمد سمیع۔ کراچی

فاتح ایران حضرت سعد بن وقاصؓ کے قول کے مطابق کہ ہم بھیجے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو نکالیں جہالت کی تاریکیوں سے اور انہیں لائیں ایمان کی روشنی میں اور بادشاہوں کے ظلم وجور سے اسلام کے عدل کی جانب' جب کرۂ ارضی کے ایک وسیع خطے پر اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو غلبہ حاصل ہوا تو امن و امان کا وہ دور شروع ہوا جب ایک تنہا عورت زیور سے لدی پھندی ایک طویل سفر پر بھی ہوتی تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا کوئی نہ ہوتا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ختم ہوا اور الصادق والمصدوق ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق "کٹکھنی" حکومتیں قائم ہوئیں تو اس ملوکیت کے دور میں بھی لوگوں کے قلوب سے نبی خاتم ﷺ کی وہ تعلیم محو نہیں ہوئی کہ مسلمان (امت) کی مثال جسد واحد کے مطابق ہے کہ اگر اس کے کسی عضو میں درد اٹھتا ہے تو پورا جسم اس درد کو محسوس کرتا ہے الحمد اللہ کہ آج بھی ہمارے ذہنوں سے یہ تعلیم محو نہیں ہوئی البتہ ہمارے رویوں میں فرق آچکا ہے۔ حجاج بن یوسف جو اسلامی تاریخ میں ایک ظالم و جابر گورنر مشہور ہے' جب اس نے سندھ سے مسلمان خواتین کی فریاد سنی تو ہندو راجہ داہر کی سرکوبی کے لئے اپنے جوان سال بھتیجے محمد بن قاسمؒ کو روانہ کیا اور سندھ کو باب الاسلام بننے کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن ہمارا رویہ یہ ہے کہ جب بابری مسجد کی شہادت پر خلیج میں مقیم بر صغیر کے مسلمانوں نے ہندوستانی حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا تو نہ صرف یہ کہ خلیج کی مسلمان ریاستوں میں انہیں ملازمتوں سے ہاتھ دھونا پڑا بلکہ ان کا دیس نکالا بھی ہوا۔

آج بھی جب جسد امر کشمیر اور بوسنیا میں لہو لہان ہے' اللہ کا شکر ہے کہ وطن عزیز میں اس کا درد محسوس کرنے والے موجود ہیں' جس کا ایک مظہر وہ قومی سیمینار ہیں جو میر خلیل الرحمٰن میموریل سوسائٹی کی جانب سے ملک کے مختلف شہروں میں منعقد ہوئے۔ کراچی میں بھی ہوٹل تاج محل میں یہ تقریب ۲۷ جنوری کو منعقد ہوئی۔ "عالم اسلام کو درپیش مسائل" کے موضوع پر اہل دین و دانش نے خطاب کیا اور سیمینار کے دوران ایک پر تاثیر فلم بھی دکھائی گئی جس نے لوگوں کے ضمیر کو جھنجھوڑا یا نہیں آنکھوں سے سیل رواں ضرور بہایا۔

اصلاً تو یہ تقریب ساڑھے چار بجے شروع ہونیوالی تھی لیکن پاکستانی قوم اپنے اس اصول کی بہت پکی ہے کہ کسی بھی تقریب کو وقت پر شروع نہیں کرنا۔ بہرحال نماز مغرب سے کچھ ہی دیر قبل سورۂ صف کی آیات مبارکہ کی تلاوت سے اس کا آغاز ہوا جن میں مومنوں کو غلبہ دین کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کے بعد جناب صدیق اسماعیل نے اپنی پر درد آواز میں نعت خوانی کی۔ سب سے پہلے مقرر جماعت اسلامی سے وابستہ دانشور جناب کریم بخش نظامانی تھے۔ انہوں نے بتایا کہ امت کے پاس دنیا کی پیداوار کا ساٹھ فیصد پٹرول اور ۹۰ فیصد ربڑ جیسی صنعتی ترقی کے لئے انتہائی اہم اشیاء ہونے کے باوجود اتنی قوت موجود نہیں جو ایک باعزت امت کے لئے ضروری ہے اور مطلوبہ قوت کا حصول ہی مسئلہ کا اصل حل ہے۔ اس موقع پر انہوں نے حضور ﷺ کی امن حدیث مبارکہ کا حوالہ دیا جس میں اس بات کی نشان دہی کی گئی ہے کہ جس قوم کے امور عورت کے حوالے کر دیئے جائیں اسے فلاح نصیب نہیں ہوتی۔ بدقسمتی سے اس وقت امت کی تین اقوام میں عورتیں ہی وزیراعظم ہیں۔

ان کے بعد شیعہ عالم دین جناب علامہ عباس

حیدر عابدی کی باری تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز اسلام کے بارے میں یہودی سوچ کے حوالے سے شروع کی اور مسئلہ کا حل ایمان کی آبیاری کے ساتھ ساتھ امت میں اتحاد' معیشت میں استحکام' دفاعی قوت' اسلامی دولت مشترکہ' تجارت بین المسلمین اور مظلوم اقوام کی حمایت میں آواز بلند کرنے کو قرار دیا۔ اس کے بعد باری تھی سیدہ عابدہ حسین کی۔ انہوں نے مسلم امہ میں Ability to buy & kill کی عدم موجودگی کا شکوہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ چونکہ ہم میں Ability to buy نہیں لہٰذا ہم خریدے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے مارے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خلیج کے پڑوسی ممالک یعنی مصر' ترکی اور پاکستان میں سیاسی استحکام پیدا ہو جائے اور ان ممالک کی معیشت بھی مستحکم ہو جائے تو ہماری پوزیشن بہتر ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم میں سیاسی عدم استحکام پیدا کیا جاتا ہے۔ انہوں نے امریکی نیو ورلڈ آرڈر کے عزائم کا کرسٹوفر وارن کے حوالے سے دیا اور اپنی اس گفتگو کا بھی حوالہ دیا جو انہوں نے نے خلیجی جنگ میں امریکی کمانڈر کولن پاول سے ایٹمی مسئلہ کے سلسلے میں کیا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امریکہ چونکہ امریکہ ہے لہٰذا اسے ایٹمی اسلحہ بنانے کا حق ہے اور پاکستان چونکہ پاکستان ہے لہٰذا اسے اپنا ایٹمی پروگرام ترک کرنا ہے۔ اس کے بعد وزیر اعلیٰ سندھ کی آمد کے موقع پر انہیں میر جاوید الرحمن نے سپاسنامہ پیش کیا۔

اب باری تھی داعی تحریک خلافت پاکستان اور امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی۔ انہوں نے اپنی گفتگو کے آغاز میں فرمایا کہ اس سیمینار کا مقصد نہ تو مسائل کا شمار ہے اور نہ ہی مرثیہ گوئی۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم معلوم کریں کہ ہمارے تمام مسائل کا سبب کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان مسائل کا اصل سبب یہ ہے کہ امت مسلمہ اس وقت عذاب کی گرفت میں ہے۔ یہ امت اللہ کی نمائندہ تھی لیکن اس نے نمائندگی کا حق ادا نہیں کیا۔ یہ امت تو اس لئے برپا کی گئی تھی کہ اقوام عالم کے سامنے حق کی شہادت پیش کرے۔ لیکن دوسروں پر وہ شہادت حق کیا دیتی' اس کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ اسپین کے قتل عام کے وقت تو ذرائع ابلاغ اتنے ترقی یافتہ نہ تھے کہ اس کو تمام امت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی لیکن آج کا مسلمان تو ٹی وی رپورٹوں اور ویڈیو فلموں پر یہ سارے مناظر اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ رہا ہے۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ بے شک ہم میں Ability to kill نہیں ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم میں اتحاد کا فقدان ہے۔ جب صورتحال یہ ہو تو ہم دنیا کو ایک نمونہ کی اسلامی مملکت قائم کر کے کیسے دکھا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کہا کہ پسر اقبال جناب ڈاکٹر جاوید اقبال کے روس کی نو آزاد مسلم جمہوریاؤں کے دورے کے دوران اس خواہش کا اظہار ہوا کہ انہیں ایک اسلامی مملکت کا کوئی ماڈل درکار ہے' تاکہ اسی ماڈل کے مطابق وہ اپنے ہاں نظام قائم کر سکیں۔ لیکن انہوں نے یہ بھی کہا کہ انہیں سعودی ماڈل نہیں چاہئے کہ وہ ملوکیت کا نظام ہے اور نہ ہی ایران کا نظام چاہئے جو تھیاکریسی پر مشتمل ہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کے حوالے سے کہا کہ پاکستان کا قیام اسی لئے عمل میں لایا گیا تھا کہ دور ملوکیت میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی پر پردے پڑ گئے تھے' پاکستان میں حقیقی اسلام نافذ کر کے ان پردوں کو ہٹایا جا سکے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مسائل کا اصل حل یہی ہے کہ یہاں خلافت کا نظام قائم کیا جائے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس یقین کا اعادہ کیا کہ ان شاء اللہ یہیں سے اسلام کا ماڈل ابھرے گا کیونکہ گزشتہ چار سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ مجدد الف ثانیؒ' شاہ ولی اللہؒ' شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ' شاہ اسماعیل شہیدؒ' شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا مودودی اور علامہ اقبال جیسے افراد اسی خطے میں پیدا ہوئے۔ لیکن اس سے قبل عذاب کا ایک اور کوڑا ہماری پیٹھ پر برسنے والا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عنقریب ہیکل سلیمانی جو ان کے قبلہ کی حیثیت رکھتا ہے اور انیس صدی سے زیادہ عرصہ سے منہدم پڑا ہے' اس کی کھدائی شروع ہونے والی ہے اور اس کا مطلب قبلہ اول کا انہدام ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایمان ہماری بنیادی ضرورت ہے لیکن ہمیں اصل میں شعوری ایمان کی ضرورت ہے جو ہمیں صرف اور صرف قرآن کریم سے ہی حاصل ہو سکتا ہے بقول ظفر علی خان مرحوم۔

وہ چیز نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو قرآن کے سیپاروں میں

ڈاکٹر صاحب نے مذہبی سیاسی جماعتوں کی غلط حکمت عملی کا بھی تذکرہ کیا جو انہوں نے انتخابی سیاست میں شمولیت کر کے اختیار کر رکھی ہے۔ حالانکہ سیاست کا لازمی نتیجہ جاگیرداروں کی نظام پر گرفت ہے۔ انتخابی سیاست میں تو وہ پارٹیاں حصہ لیتی ہیں جو ملک میں رائج نظام کو بہتر طور پر چلانا چاہتی ہیں۔ جبکہ مذہبی سیاسی جماعتوں کو تو اس نظام کو بدلنا ہے نہ کہ اس کے لئے بہتر ہاتھ فراہم کرنا۔ انہوں نے کہا کہ اب بھی وقت ہے کہ مذہبی سیاسی جماعتیں انتخابی سیاست کے راستے کو چھوڑ کر ایجی ٹیشن کی سیاست کریں جو معاشرے میں جاری منکرات کے خاتمہ کے لئے خالصتاً لوجہ اللہ ہو۔

مشہور قانون دان جناب خالد اسحاق نے اس بات کی نفی کی کہ ہمارے مسائل کی وجہ کسی بھی بنیاد پر فرقہ واریت ہے۔ انہوں نے علماء سے کہا کہ وہ ماضی کو سونے کے پنجرے میں بند کر کے مستقبل میں جھانکنے کی کوشش کریں اور دانشور حضرات یورپ میں ماڈل تلاش کرنے کے بجائے اپنے اسلامی نظام سے رجوع کریں جو مغربی جمہوریت سے زیادہ جمہوری اور شورائی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے بجٹ کا ۳۸ فیصد دفاع پر لگ جاتا ہے ۴۰ فیصد سود کی ادائیگی پر اور ۱۴ فیصد تنخواہوں اور حکمرانوں کی آسائشوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ تعلیم کے لئے فنڈ کہاں سے آئے۔ انہوں نے عوامی نمائندوں پر بھی کڑی تنقید کی جو اسمبلی میں جا کر ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے نظام احتساب کے قیام کی ضرورت پر زور دیا تاکہ ہر شخص اور ادارہ اپنے حقوق و فرائض کے مطابق کام کر سکے۔ انہوں نے اسمبلی کے باہر اہل علم اور دانشوروں کے رول پر بھی گفتگو کی کہ اگر وہ چاہیں تو اس طرح اسمبلی سے باہر رہ کر بھی حکومت کا احتساب کر سکتے ہیں۔ انہوں نے رزق حلال پر عائد رکاوٹوں کو دور کرنے پر بھی زور دیا جس نے بے ایمانی' خود غرضی اور دوسری اخلاقی خرابیوں کو جنم دیا ہے۔

اب باری تھی جواں سال مقرر اور احیائی تحریکوں کے حوالے سے ایک ممتاز شخصیت جناب پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کی جو واقعتاً محفل میں گرمی پیدا کرنے کا فن جانتے ہیں۔ انہوں نے خطبہ حجۃ الوداع کی بنیاد پر اسلام کے نیو ورلڈ آرڈر کے سات مختلف گوشوں کی وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ نیو ورلڈ آرڈر اب ڈس آرڈر میں بدل چکا ہے۔ امریکہ واحد عالمی طاقت بن چکا ہے۔ وائس آف امریکہ کی ۶ مارچ ۱۹۹۱ء کی رپورٹ کے مطابق امریکی نیو ورلڈ آرڈر کا

مقصد (۱) ایران اور عراق کی طرح فوجی کارروائیاں (۲) عرب اور اسلامی نظام کو تبدیل کرنا (۳) [illegible] وسطیٰ کی تہذیب و ثقافت کا خاتمہ (۴) بنیاد [illegible] کا خاتمہ (۵) فرقہ واریت کی حوصلہ افزائی (۶) نفاذ اسلام کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنا اور (۷) اسلامی دنیا کے علماء و دانشوروں کا خاتمہ ہے۔

جناب مولانا کوثر نیازی نے اپنی تقریر کا بیشتر حصہ میر خلیل الرحمٰن کی یادوں کے حوالے کر دیا البتہ انہوں نے یہ کہا کہ دوسروں پر الزام تراشی سے بہتر ہے کہ خود احتسابی سے کام لیا جائے۔ مثلاً انہوں نے کہا کہ بابری مسجد اور مسلمانوں کے قتل عام پر ہم واویلا کرتے ہیں لیکن خود ہمارا اپنا حال یہ ہے کہ مساجد میں نمازی محفوظ نہیں۔ آئے دن مذہبی فرقہ واریت کی بنیاد پر مساجد میں فساد برپا کیا جاتا ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے نسخہ کو سراہا کہ ایک ماڈل اسلامی ریاست کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن اگر مریض خود نسخہ پر عملدر آمد کے لئے تیار نہ ہو تو علاج کیوں کر ہو۔ انہوں نے سیاسی محاذ آرائی کا بھی حوالہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ عقیدہ توحید کے نتیجے میں وحدت امت قائم ہونی چاہئے لیکن اگر ایسا نہیں ہو رہا ہے تو ہمیں فکر کرنی چاہئے کہ ہمارے عقیدہ توحید میں کوئی کمی تو نہیں۔ انہوں نے اہل صحافت کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے کہا کہ صحافت پر اعتماد اور اعتبار کے لئے صحافی حضرات کو غور کرنا چاہئے۔ انہیں اپنا قلم بطور صحافی استعمال کرنا چاہئے نہ کہ بطور سیاسی کارکن۔

آخر میں سندھ کے وزیر اعلیٰ سید عبداللہ شاہ نے بڑی سادہ اور بے ساختہ تقریر کی۔ انہوں نے بھی خود احتسابی پر زور دیا اور علماء سے کہا کہ یہود دشمنی کا تذکرہ تو قرآن میں پہلے سے موجود ہے' انہیں آج اس کی خبر ہوگی ہے۔ حکمرانوں کی شاہ خرچیوں پر تنقید کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ عوام کو بھی تو سادگی اختیار کرنی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ کراچی میں شادی ہالوں میں جس طرح بے جا اسراف ہو رہا ہے کیا اس کو روکنے کے لئے عوام شادی کی ایسی تقریبات کا بائیکاٹ نہیں کر سکتے؟

باتیں تو مقررین کی اپنی جگہ درست اور فکر ہر کس بقدر اوست کی آئینہ دار تھیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا محض سیمینار کے انعقاد سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ تجاویز تو اہل دانش و بینش اپنے اپنے پلیٹ فارم سے پہلے ہی سے دیتے آ رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر اسرار احمد ہی کا معاملہ لے لیجئے کہ ان کے خطاب جمعہ کا ایک حصہ ان کی سیاسی آراء پر مبنی ہوتا ہے جس میں حالات حاضرہ کے حوالے سے تجاویز پیش کی جاتی ہیں لیکن کون سنتا ہے فغان درویش۔ حکمران تو بہرحال صاحبان اقتدار ٹھہرے' کیا ان کی مدلل تجاویز کا اب تک مذہبی سیاسی جماعتوں نے کوئی فائدہ اٹھایا؟ مولانا فضل الرحمٰن بھی انقلاب کی بات آتے ہیں' مولانا سمیع الحق نے بھی کلاشنکوف لہرا کر انقلاب کی باتیں کی ہیں' جماعت اسلامی نے بھی اسلامی فرنٹ کا روپ دھار کر اپنا حشر دیکھ لیا ہے لیکن زمین جنبد نہ جنبد گل محمد والا معاملہ ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے البتہ انتخابی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی ہے لیکن منہج انقلاب نبوی کو چھوڑ کر اپنا منہج اختیار کیا ہے۔ تعلیم کے سلسلے میں کتنا فنڈ حکومت مختص کرتی ہے' وہ اس محفل میں ایک سے زیادہ مقرر نے بتایا ہے تو کیا ان کا ایک چھوٹا سا ادارہ اس ملک میں ایسا تعلیمی انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے جو اسلامی

(باقی صفحہ [illegible] پر)

بقیہ قاضی حسین احمد

براءت کر کے اور اس طرح عوام کے سواد اعظم کے قلوب و اذہان سے قریب تر ہو کر اپنے مقاصد کے حصول کو بھی بہت آسان بنا سکتے ہیں اور خواہ اس ملک کے پولیٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ لا سکیں' اسے ایک نسبتاً بہتر حکومت و قیادت کا تحفہ دینے کی موثر کوشش تو کر ہی سکتے ہیں!

اس صورت میں یہ ضرور ہے کہ نئی جماعت یا تنظیم کو جماعت کی بین الاقوامی ساکھ کی بنا پر حاصل ہونے والے مفادات (خواہ مادی ہوں' خواہ صرف اخلاقی) سے کم از کم وقتی طور پر محروم ہونا پڑے گا۔ لیکن یہ بات ان شاء اللہ ان حضرات کی سمجھ میں بادنیٰ تامل آجائے گی کہ یہ بین الاقوامی تعارف اور "گڈول" مقامی اور ملکی سطح پر کبھی فیصلہ کن نہیں ہو سکتا۔ اور اگرچہ ہر بندۂ مومن اور ہر احیائی تحریک کے پیش نظر تو یہی ہونا چاہیے کہ اسلام کا بول عالمی سطح پر بالا ہو' اور اللہ کا کلمہ کل روئے ارضی پر سب کلموں سے بلند اور اس کا دین سب ادیان پر غالب ہو جائے' (اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایسا بالفعل ہو کر بھی رہے گا) لیکن اس کا عملی آغاز بہر صورت کسی ایک خطہ ارضی ہی سے ہوگا' اور ظاہر ہے کہ ہم اس کے لئے عملی جدوجہد اور موثر سعی سلطنت خداداد پاکستان ہی میں کر سکتے ہیں (جو معرض وجود میں آئی ہی اسی لئے ہے!) لہٰذا ہمیں اپنی حکمت عملی معین کرنے میں بنیادی توجہ بین الاقوامی مصلحتوں سے بڑھ کر مقامی انقلاب کے تقاضوں پر مرکوز کرنی ہوگی۔

جماعت اسلامی کے موجودہ اختلاف اور خلفشار کے حل کے لئے اگر یہ "راہ راست" اختیار نہ کی گئی اور وہی طرز عمل جاری رکھا گیا جو قاضی صاحب کے استعفےٰ کے انداز سے ظاہر ہے تو فوری طور پر تو وہ بلاشبہ "فلائنگ کلرز" کے ساتھ کامیاب ہو جائیں گے' لیکن جماعت کا بحران ختم نہیں ہوگا بلکہ (i) کچھ بوڑھے اور بزرگ تو یا تو پت جھڑ کے پتوں کی طرح جھڑ جائیں گے۔ یعنی جماعت سے علیحدہ ہو جائیں گے یا نکال دیئے جائیں گے۔ یا شاخ پر لگے ہوئے بھی سوکھ جائیں گے۔ یعنی جماعت میں رہتے ہوئے بھی ع "میں ہوں اپنی شکست کی آواز!" اور ع "اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو!" کے مصداق بن کر رہ جائیں گے! (ii) اسی طرح جماعت کے پرانے ارکان کی اکثریت بھی خواہ جماعت سے ظاہری طور پر وابستہ رہے' عملی اعتبار سے بددل اور معطل ہو کر رہ جائے گی ---- اس طرح گویا اقامت دین کی تحریک کی وہ تنظیمی شکل تو عملی اعتبار سے بالکل دم توڑ جائے گی---- جو برعظیم پاک و ہند میں ۱۹۴۱ء سے شروع ہوئی تھی۔ (iii) رہی قاضی صاحب اور ان کی امارت اور قیادت تو وہ بھی خواہ خالص جماعتی سطح پر مزید "دو چار دن بہار جانفزا دکھلا" جائے' قومی اور ملکی سطح پر فی الواقع "از تراشحنہ مردک نام!" کی مصداق کامل بن چکی ہے۔ اس لئے کہ سیاست کے میدان میں "طوفانی انداز" سے حملہ آور ہونے کی کوشش کرنے والوں کے دو ہی انجام ہوتے ہیں: یا تو وہ پہلی ہی باریعنی اول وہلے ہی میں "وہ آیا' اس نے دیکھا' اور اس نے فتح کر لیا!" کے مصداق بن جاتے ہیں' یا پھر لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کا موضوع اور ع "دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!" کی تصویر بن کر رہ جاتے ہیں۔

بہرحال ہم نے اپنی حد تک سورۂ ہود کی آیت ۸۸ء میں وارد شدہ الفاظ: (ترجمہ) "میں امکانی حد تک اصلاح حال کے سوا اور کسی چیز کا خواہاں نہیں ہوں اور اس کی توفیق کا بھی صرف اللہ ہی سے خواستگار ہوں" کے مطابق حق نصیحت ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے آگے ع "فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے' دل یا شکم!"

(باقی آئندہ)

قاضی حسین احمد سے اتفاق و اختلاف کی تفصیل

ایک مخمصہ جو صرف قاضی کا نہیں، پوری جماعت کا ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

ذیلی اور "نقابی" تنظیمیں جماعت کے مسئلے کا حل نہیں

قاضی حسین احمد صاحب کی حمایت یا مخالفت کی شدت کے حوالے سے جس اندرونی انتشار اور خلفشار سے اس وقت جماعت اسلامی دوچار ہے وہ تنظیمی اعتبار سے تو یقیناً جماعت کا داخلی معاملہ ہے' اور اس پہلو سے ایک صاحب قلم (غالباً سید معروف شاہ شیرازی؟) کا یہ قول بظاہر بہت قوی ہے کہ جماعت سے باہر کے لوگوں کو اس میں "دخل در معقولات" کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن جماعت چونکہ احیاء اسلام کی عالمی تحریک کا حصہ ہے لہٰذا دین اور ملت کے وسیع تر مفاد سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کا اس بارے میں کچھ عرض کرنا ہرگز بے محل نہیں ہے۔

راقم الحروف کو الیکشن ۹۳ء سے قبل قاضی صاحب کی بعض آراء سے جو اتفاق تھا' اس کی تفصیل بھی اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے۔ اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ راقم کے نزدیک ان کا منطقی تقاضا کیا تھا۔ تاہم یہ ایک اصولی بات تھی جو جولائی ۹۳ء سے قبل کے حالات پر مبنی تھی۔ میں اواخر جولائی میں بیرون ملک سفر پر روانہ ہو گیا تھا اور وہاں سے میری واپسی لگ بھگ ڈھائی ماہ بعد وسط اکتوبر میں ہوئی تھی جبکہ انتخابات کا ہنگامہ بھی گزر چکا تھا اور اس کے نتائج بھی سامنے آ چکے تھے اور اس کے نتیجے میں جماعت کا وہ انتشار اور خلفشار بھی' جو اس سے قبل باہر کے لوگوں کے علم میں صرف بعض اکابر کی آراء اور ان کی بھی اخبارات میں اشاعت کے حوالے سے آیا تھا' نہ صرف یہ کہ طشت ازبام ہو گیا تھا بلکہ جماعت اسلامی کے عام ارکان اور کارکنان ہی نہیں' ہمدردوں سرپرستوں اور بہی خواہوں کے حلقے میں بھی پوری شدت ہی نہیں تلخی کے ساتھ پھیل چکا تھا!

بہرحال بیرونی سفر سے واپسی پر مجھے انتخابی مہم کی جن تفصیلات کا علم حاصل ہوا' ان کی بنا پر میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے حیرت زیادہ ہوئی تھی یا صدمہ۔ حیرت اس بنا پر بھی کہ میں ہرگز یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ جماعت کی نئی قیادت پبلسٹی کے اس درجہ عامیانہ ہی نہیں "سوقیانہ" انداز بھی اختیار کر سکتی ہے' اور اس اعتبار سے بھی کہ ع "ہم نے کیا کیا نہ کیا دیدہ و دل کی خاطر!" کی اس انتہاء کے بعد بھی جماعت کو نیشنل اسمبلی میں کل تین سیٹیں حاصل ہو سکیں۔ اور صدمہ اس لئے کہ ایک دینی جماعت کے اخلاقی اور مذہبی تشخص کو۔ "پہلے بھی ایسی کون سی تھی اپنی آبرو۔ پر شب کی منتوں نے تو کھو دی رہی سہی" کے مصداق جو سخت دھچکا اس کے ذریعے لگا وہ صرف اس جماعت ہی کے لئے نقصان دہ نہیں' اس ملک میں اسلام کی حیثیت اور اس کے مستقبل کے اعتبار سے بحیثیت مجموعی شدید نقصان کا باعث بنا ہے۔ اور خواہ قاضی صاحب اور ان کے بعض رفقائے کار اور مشیران خاص نے اس انتخابی مہم کے دوران ہونے والی بعض حرکتوں پر مبہم سے انداز میں اظہار افسوس و ندامت بھی کیا ہے' تاہم وہ اس کی ذمہ داری سے کسی طرح بری نہیں ہو سکتے۔

اس کے بعد کچھ عرصہ تک واقعہ یہ ہے کہ محترم قاضی صاحب کی اس "استقامت" پر بھی حیرت ہوتی رہی کہ انتخابات سے قبل اتنے بلند بانگ دعووں اور بالکل۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے

کا سا سماں باندھ دینے کے بعد "پف" جس بری طرح چاروں شانے "چت" ہوئی اس پر بھی قاضی صاحب نہ جماعت کی امارت سے مستعفی ہوئے نہ پف کی قیادت سے!

بہرحال یہ تو قاضی صاحب کا ذاتی معاملہ تھا' جماعتی اختلاف و افتراق کے ضمن میں اس کے بعد بھی امید تھی کہ قاضی صاحب وہ طرز عمل اختیار کریں گے جس سے جماعت پالیسی اور طریق کار کے معاملے میں یکسو ہو جائے اور جس راہ کو بھی اختیار کرے علیٰ وجہ البصیرت اختیار کرے اور اس کے جملہ تقاضوں کے واضح فہم و شعور کے ساتھ ان کو پورا کرنے کے عزم مصمم کا فیصلہ انشراح صدر کے ساتھ کر لے تاکہ پھر قدم قدم پر اختلاف اور رکاوٹ کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ اس لئے کہ الیکشن ۹۳ء کے موقع پر طریق کار اور پالیسی کے اختلاف کے بعض ایسے نکات بھی جو اس سے قبل صرف نظری حیثیت سے زیر بحث آتے تھے واضح عملی صورت میں سامنے آ چکے ہیں' اور موجودہ طریق کار کی بنیاد میں کارفرما اساسی حکمت عملی کے بعض پہلو بھی اپنی منطقی انتہاء کو پہنچ چکے ہیں اور ان کے نتائج کو بھی ارکان اور کارکنان نے۔

"یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ!"

کے مصداق بچشم سر دیکھ لیا ہے۔ لہٰذا صحیح فیصلے تک پہنچنا بہت آسان ہو گیا ہے!

لیکن قاضی صاحب نے جو انداز بالفعل اختیار کیا وہ یہ کہ بجائے اس کے کہ جماعت کے ارکان کو بنیادی طریق کار اور اس کی اساسی حکمت عملی' اور اس کے ساتھ ساتھ بعض معین اقدامات پر بحث و گفتگو کا موقع دیا جاتا' اور پھر کثرت رائے سے فیصلے کر لئے جاتے اور

کسی نئے امیرے اصحاب یا قاضی صاحب ہی پر دوبارہ اظہار اعتماد کا مرحلہ اس کے بعد طے کیا جاتا' انہوں نے جماعت کی امارت سے اپنے جذباتی انداز کے استعفے کے ذریعے گویا "پیش دستی" یعنی PRE-EMPTION کے انداز میں براہ راست "اعتماد کا ووٹ" طلب فرمالیا۔

اعتماد کا یہ ووٹ تو ہمیں یقین ہے کہ قاضی صاحب کو جماعت کے بعض اکابر کے اس "نکتہ اعتراض" کے علی الرغم مل ہی جائے گا جو جناب نعیم صدیقی کے ایک خط کی صورت میں منظر عام پر بھی آ چکا ہے' لیکن کیا اس سے افتراق و انتشار کا خاتمہ ہو جائے گا؟ یا کیا اس سے پالیسی کا ابہام ختم ہو جائے گا اور جماعت اس مخمصے سے نکل کر' جس کا ذکر اس سے قبل کیا جا چکا ہے' یکسو ہو کر آگے قدم بڑھا سکے گی؟ اور اقامت دین کے بلند و بالا مقصد کے لئے موثر اور نتیجہ خیز کام کر سکے گی؟ ہم افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان تمام سوالات کا جواب کامل نفی میں ہے!

اس ضمن جماعت کے بعض اکابر نے قاضی صاحب سے اختلاف کا جو طریقہ اختیار کیا ہم اسے بھی درست نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اس سلسلے میں اب کچھ عرض کرنے کی بجائے اس خط کا مختصر اقتباس کافی ہے جو راقم نے میاں طفیل محمد صاحب کی خدمت میں ۲/ اکتوبر ۹۱ء کو ارسال کیا تھا۔ (اور ایک سال بعد نومبر ۹۲ء کے "میثاق" میں شائع بھی کر دیا تھا۔) ---- وھو ھذا:

"اواخر اگست میں میں ملائیشا کے سفر پر تھا۔ واپسی پر جماعت کے پچاس سالہ یوم تاسیس کے جشن کے موقع پر آپ کے تلخ لیکن مبنی بر حقیقت ارشادات کا چرچا سننے میں آیا۔

اتفاقاً اواخر ستمبر میں پھر بھارت کا سفر پیش آگیا۔ اور اس بار واپسی پر آپ کا وہ بیان پڑھنے میں آیا جو روزنامہ جنگ کی اشاعت بابت ۲۶/ ستمبر میں شائع ہوا ہے' جس میں آپ کے اسی موقف اور جذباتی کیفیت کا اعادہ ہے جس کا اظہار ایک ماہ قبل ہوا تھا۔

میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں

کہ آپ کے اس طرز عمل سے کوئی خیر برآمد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو جماعت کے عام کارکنوں کے ذہنوں میں آپ کی شخصیت کا تصور ایک مایوس' بددل' جذباتی' شکست خوردہ اور از کار رفتہ بوڑھے کا سا بنتا چلا جائے گا!"

راقم الحروف کو' اللہ گواہ ہے کہ' اس بات سے کوئی خوشی نہیں ہے بلکہ شدید صدمہ ہے کہ اس کی ڈھائی سال قبل کی یہ پیشینگوئی اس وقت حرف بحرف پوری ہو رہی ہے اور جماعت کے نوجوان کارکنوں کی بڑی تعداد کی نگاہوں میں بعض بزرگوں کی حیثیت فی الواقع یہی بن چکی ہے' لیکن ہم فرمان نبوی "الدین النصیحہ" یعنی "دین تو نام ہی نصح و اخلاص' اور وفاداری اور خیر خواہی کا ہے" پر عمل کرتے ہوئے قاضی صاحب اور ان کے رفقاء کار سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس وقت اپنی ذاتی اور وقتی کامیابی یا ناکامی کی بجائے جماعتی ہی نہیں عالمی تحریک اسلامی' اور اس کی بھی فوری نہیں دور رس اور دیرپا مصلحتوں کو پیش نظر رکھیں۔ اور حالیہ افتراق و انتشار کے "شر" سے آئندہ کے لئے مستقل "خیر" برآمد کرنے کی کوشش کریں۔ جس کا واحد راستہ یہ ہے کہ جماعت کے اصحاب شوریٰ ہی نہیں عام ارکان بھی ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے ہوئے حسب ذیل امور پر غور اور پرسکون انداز میں بحث و گفتگو کریں:

(۱) اس سے قطع نظر کہ جماعت اسلامی آج سے ساڑھے باون برس قبل قائم کیوں اور کس مقصد کے لئے کی گئی تھی (اس لئے کہ یہ بحث اب بہت پرانی اور خالص نظری نوعیت کی حاصل ہو چکی ہے!) اس وقت بالفعل جماعت کے پیش نظر کوئی سطحی تبدیلی ہے یا وہ ملک میں رائج و قائم سیاسی و معاشرتی اور بالخصوص معاشی نظام میں کوئی اساسی اور بنیادی تبدیلی چاہتی ہے؟

(۲) کیا کسی نظام اجتماعی اور خاص طور پر اس کے معاشی ڈھانچے میں میں کوئی بنیادی اور اساسی تبدیلی انتخابات کے ذریعے برپا کی جا سکتی ہے؟ مثلاً کیا پاکستان میں جاگیرداری اور سودی معیشت کا خاتمہ انتخابات کے ذریعے ممکن ہے؟ اور آیا "انقلاب بذریعہ انتخابات" کا نظریہ خالص مغالطہ اور فریب نظر ہے یا اس میں کوئی عنصر حقیقت اور واقعیت کا بھی موجود ہے؟

(۳) پھر بالفرض اگر کسی کے نزدیک اس میں خالص نظری اعتبار سے بھی کوئی وزن ہو تو کیا جماعت اسلامی اپنے مخصوص دینی و مذہبی تصورات و معیارات اور ناقابل تغیر تاریخی پس منظر کے ساتھ پاکستان کے مسلمانوں کے "سواد اعظم" سے اتنے ووٹ حاصل کر سکتی ہے کہ فیصلہ کن قوت و اقتدار کی مالک بن سکے! (واضح رہے کہ جماعت کی کوئی بھی ذیلی اور "نقابی" تنظیم خواہ وہ کتنا ہی نیا نام اور جدید رنگ و روپ اختیار کرلے عوام کی نگاہوں میں ؎

"بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم"

کے مصداق جماعت کے مذہبی اور تاریخی پس منظر سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتی بالخصوص جبکہ اس کی قیادت کی چلمن سے جماعت اسلامی کے چہرے ہی جھلک رہے ہوں!)

ہماری رائے میں جہاں تک ان تین بنیادی سوالات کا تعلق ہے' ان میں سے پہلے کے جواب میں تو شاید کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جو یہ کہے کہ جماعت معاشرتی اعتبار سے کسی سطحی سی اصلاح کی علمبردار یا سیاسی سطح پر صرف حکومت کرنے والے ہاتھوں اور چہروں کی تبدیلی کی خواہاں ہے۔ البتہ بقیہ دونوں سوالوں کے ضمن میں شاید کچھ لوگ "منطق کی دلیلوں" کے سہارے اثبات میں جواب دینے کی کوشش کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے "اخلاص و مروت" سے مطابقت رکھنے والا واحد راستہ یہ ہے کہ انتخابی عمل میں براہ راست جماعت اسلامی ہی کے نام سے حصہ لینے کو جاری رکھیں اور اگر اس کے تنظیمی ڈھانچے کے بعض پہلوؤں کو اس راہ میں رکاوٹ محسوس کریں تو اس رکاوٹ کو بھی جس حد تک جماعت کے ارکان کی اکثریت قبول کرلے دور کرنے کی کوشش کریں۔ (جیسے' مثال کے طور پر' سنا ہے کہ بعض حضرات نے تجویز کیا ہے کہ جماعت کی رکنیت پر جو دینی پابندیاں اور اخلاقی بندشیں عائد ہیں انہیں صرف عہدیداروں کی حد تک محدود کر دیا جائے' اور عام رکنیت کا دروازہ ہر مسلمان کے لئے کھول دیا جائے' خواہ وہ بالفعل صالح اور متقی ہو' خواہ عاصی و بے عمل!) ---- بصورت دیگر یعنی اگر جماعت کے ارکان کی اکثریت اس راہ کو قبول نہ کرے تو سیدھی راہ یہ ہے کہ وہ جماعت سے علیحدگی اختیار کر کے نئے نام اور نئے معیارات کے ساتھ ایک نئی سیاسی جماعت قائم کریں' اس لئے کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس مغالطے میں تو بحمد اللہ جماعت کا کوئی بھی شخص مبتلا نہیں ہے کہ اسلام صرف جماعت اسلامی کے دائرے کے اندر منحصر ہے اور اس سے علیحدگی کفر یا ارتداد ہے! بہرحال اس صورت میں وہ جماعت کے بعض قدیم اور "دقیانوسی" نظریات سے علی الاعلان اظہار

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

جماعت کا دستور کیا مُنزل مِن اللہ ہے؟

(گزشتہ سے پیوستہ)

کارکنوں کے ذہنوں میں سوالات کلبلا رہے ہیں

ہمارے رفیق کار نثار احمد ملک نے قیادت کے موجودہ بحران کے تناظر میں منعقد ہونے والے کارکنان جماعت اسلامی کے ایک اجتماع میں شرکت کی تھی جو لاہور میں منعقد ہوا۔ ان کے تاثرات کا ابتدائی حصہ گزشتہ اشاعت میں پیش کیا جا چکا ہے' ذیل کی سطور میں ان کی رپورٹ مکمل ہو جائے گی---- ادارہ

کارکنان کے اس اجتماع میں بہت سے اہم سوالات کئے گئے۔ ان میں سے ایک سوال طریق انقلاب پر نظر ثانی کا بھی تھا۔ سوال اس نوعیت کا تھا کہ کیا کسی اور طریقے سے انقلاب کی منزل سر نہیں کی جا سکتی؟ محترم لیاقت بلوچ صاحب نے مختلف طریقہ ہائے انقلاب کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ انقلاب پہلے افراد میں آنا چاہیے۔ جب سب لوگ تبدیل ہو جائیں گے تو نظام خود بخود بدل جائے گا۔ انہوں نے اس بات اور فلسفہ کو مہمل قرار دیا اور بالکل صحیح تجزیہ کیا کہ دنیا میں کبھی اس طرح نظام نہیں بدلا۔ انہوں نے دوسرے طریقے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک طریقہ غیر جمہوری اور غیر آئینی یعنی انقلابی طریق کار ہے۔ اس پر انہوں نے زیادہ گفتگو نہیں کی بلکہ تیسرے طریق کار پر پہنچ گئے کہ ایک جمہوری اور آئینی طریق کار ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہی طریق کار اختیار کئے ہوئے ہیں اور ہمارا جماعتی دستور بھی ہمیں اسی کی اجازت دیتا ہے۔ اس کو چھوڑ کر ہم کوئی اور طریق کار اختیار نہیں کر سکتے۔

گویا کہ جماعت کے اندر اصل اہمیت جماعتی دستور کی ہے۔ اگر دوسری طرف حقائق و دلائل کے انبار بھی ہوں تب بھی جماعتی دستور کے خلاف نہیں چلا جا سکتا۔ سیدھی سی بات ہے کہ جماعتی دستور بھی تو جماعت کے زعماء نے ہی بنایا ہے اور وہ بھی انسان ہی تھے۔ جماعتی دستور کوئی منزل من اللہ تو نہیں ہے۔ اس کو جس طرح انسانوں نے ایک وقت میں صحیح سمجھتے ہوئے بنایا تھا اسی طرح آج کے انسان اگر غلط سمجھیں تو بدل بھی سکتے ہیں۔ یہ تو پھر بھی جماعتی دستور ہے دنیا میں ملکوں اور حکومتوں کے دستور بھی آن واحد میں بدل جاتے ہیں۔

بہرحال اہم بات یہ ہے کہ جماعتی ارکان کے اندر تشویش موجود ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی محنتیں غلط طریق کار کی بنا پر ضائع کر رہے ہیں۔ لیکن دوسری طرف زعماء جماعت ہیں کہ ان کی اکثریت ایک خاص رخ پر چل رہی ہے۔

اس اجلاس کے دوران ایک سوال یہ بھی تھا کہ جماعت اسلامی کی تمام جدوجہد سیاست کے گرد گھوم رہی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دعوت کے کام کو بہت زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے۔ شاید ایک سے زیادہ سوالات اس نوعیت کے ہوں بہرحال ایک ہی پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کا جواب بھی بہت ہی "ڈپلومیٹک" انداز میں دیا گیا۔ محترم لیاقت بلوچ کہنے لگے کہ جب حق و باطل کی محاذ آرائی تیز ہو جاتی ہے تو ہمارے بعض ساتھی یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم "سیاسی" زیادہ اور "دعوتی" کم ہوتے جا رہے ہیں اور یہی بات جناب منور حسن اپنے درس قرآن میں فرما چکے تھے۔ لیاقت بلوچ صاحب کہنے لگے کہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک سیاست اور دعوت میں سرے سے کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم اس مقام پر چند لمحات کے لئے ٹھہرتے ہوئے عرض کریں گے کہ یہ سب کچھ بھی دعوت کا حصہ تھا جو حالیہ الیکشن میں ہوا؟ اگر فی الواقع یہی جماعت کی دعوت ہے اور یہی اسلوب دعوت ہے تو پھر یہ اسلام کی دعوت ہرگز نہیں۔ اسلام اپنی دعوت کے لئے "حرام" اور "ناجائز" بلکہ مکروہ طریقوں کو اختیار کرنے کی بھی اجازت ہرگز نہیں دیتا۔

اس محفل میں "پاسبان" کے کارناموں کی بھی زعماء جماعت کو وضاحت کرنا پڑی۔ جناب فرید پراچہ نے جو "نوجوانوں کے امور" کے ناظم ہیں' وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہم معاشرے کے بے راہ اور بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو بہتر ماحول مہیا کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کو صحت مندانہ سرگرمیوں میں لگا کر تحریک اسلامی کے قریب لایا جائے۔ اگر واقعتاً یہی مقصد ہے تو بلاشبہ یہ ایک بہت ہی نیک مقصد ہے لیکن پراچہ صاحب نے ایک بات یہ بھی کہی کہ ان نوجوانوں کی غلطیوں سے ہمیں صرف نظر کرنا ہوگا۔ ہم یہ بات بھی مان لیتے ہیں کہ ان کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر نکیر نہیں ہونی چاہیے لیکن کیا ان غیر تربیت یافتہ اور فکری اعتبار سے ناپختہ نوجوانوں کو تحریک اسلامی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے؟ اس کے کیا مثبت اثرات مترتب ہوں گے یا منفی؟ یہ تحریک اسلامی کی دعوت کو آگے بڑھائیں گے یا اس کے راستے کا بھاری پتھر ثابت ہوں گے؟۔ کیا ان کے "کارناموں" سے دینی جماعتوں کا "امیج" خراب نہیں ہوگا؟

ہماری رائے تو یہ ہے کہ "پاسبان" جماعت اسلامی کے متوازی ایک جماعت بن چکی ہے اور اس جماعت کے سرپرست قاضی حسین احمد صاحب ہیں۔ اب اس جماعت کا خود جماعت اسلامی پر پورا کنٹرول ہے۔ میں حالیہ مشاہدے کی بنا پر عرض کر رہا ہوں کہ جماعت اسلامی پر "جماعتی" ذہن رکھنے والوں کی گرفت باقی نہیں رہی بلکہ "پاسبانی" ذہن رکھنے والوں کا قبضہ ہے۔ یہ بات میں جماعت کے لیڈروں کے حوالے سے کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ جماعت کی قیادت پر "پاسبانی" ذہن کا مکمل قبضہ ہے۔ یہی بات میں نے ارکان کے اجتماع میں محسوس کی۔ سید منور حسن سے لے کر فرید پراچہ تک سب "پاسبان" کے پشت پناہ ہیں۔

اب اسی پس منظر میں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے اور ریکارڈ پر آجانی چاہیے کہ محترم قاضی حسین احمد نے جماعت کی امارت سے استعفٰی جانے

کے لئے نہیں دیا بلکہ دوبارہ بھرپور مینڈیٹ کے ساتھ آنے کے لئے دیا ہے۔ جب وہ دوبارہ پوری طاقت کے ساتھ جماعت کی امارت پر متمکن ہوں گے تو کوئی میاں طفیل محمد اور نعیم صدیقی ان کا راستہ نہ روک سکے گا۔ اس کے بعد وہ نئی توانائی کے ساتھ اپنے ذہن اور سوچ کے مطابق جماعت کو چلائیں گے۔ ظاہر ہے اس کے بغیر وہ جماعت کے "بوڑھوں" کا منہ بند کر بھی کیسے سکتے ہیں۔ انہوں نے گویا ان پر آخری حجت استعفیٰ دے کر قائم کردی ہے کہ میں نے تو ارکان جماعت کو موقع فراہم کیا تھا کہ وہ کسی موزوں شخص کا انتخاب کرلیں لیکن ارکان جماعت نے مجھے ہی موزوں شخص سمجھا ہے۔

قاضی حسین احمد کے استعفیٰ کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوکر سامنے آگئی ہے کہ جماعت اسلامی شدید داخلی انتشار کا شکار ہے۔ جماعت اسلامی کے دینی مزاج کے لوگ جماعت کو شرافت اور متانت کے اصولوں کے مطابق چلانا چاہتے ہیں جبکہ طاقتور سیاسی گروپ جماعت کو مروجہ معیاراتِ سیاست کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ ان دینی مزاج کے حامل ارکان جماعت کے اندر پاسبان کے خلاف انتہائی بغاوت پائی جاتی ہے۔ وہ پاسبانوں کے کارناموں سے تنگ اور دل برداشتہ ہیں لیکن دوسری طرف ان کی جماعت سے وابستگی اتنی گہری اور جذباتی ہے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود بھی کسی دوسری دعوت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں' چاہے وہ ان کے افکار اور مزاج کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ یہی بات میں نے شروع میں کہی ہے کہ جماعتیں جن اعلیٰ مقاصد کے لئے بنائی جاتی ہیں وہ نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں اور جماعتیں خود مقصد کی صورت اختیار کرجاتی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کے دین کے لئے کام کر رہے ہوں انہیں اپنے دل و دماغ کو ہر وقت بیدار رکھنا چاہیے۔ جماعتوں سے زیادہ وابستگی اللہ کے دین کے ساتھ ہونی چاہیے۔ لہٰذا اگر کچھ دوسرے لوگ اللہ کے دین کے لئے کام کررہے ہوں تو ان کے کام طریق کار اور کردار کا بھی مشاہدہ کرنا چاہیے۔ اگر ان کی دعوت مبنی برحق ہو' دل گواہی بھی دیتا ہو تو بلا خوف لومۃ لائم قبول کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے غلبہ کے لئے جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ OO

فرنگ الجزائر کو "مذہبی جنونیوں" کے حوالے نہیں کرے گا

ایک خوشحال مسلم ملک تباہی کے دہانے پر

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

امریکی جریدے "نیوزویک" نے اپنی اشاعت ۷ فروری ۹۴ء میں شمالی افریقہ کے معدنی دولت سے مالا مال مسلم ملک الجزائر پر ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی ہے جہاں اسلامی تحریکوں اور جماعتوں نے انتخابات کے ذریعے مغرب زدہ سیکولر طبقے کی حکومت کا تختہ الٹنے میں ابتدائی کامیابی حاصل کرلی تھی۔ ان کا ارادہ نظام کی تبدیلی اور اسلام کا عملی نفاذ تھا لیکن افسوس کہ ان سے تدبیر کی غلطی ہوئی۔ اسلامی انقلاب کے لئے وہ منہج انقلاب نبوی ﷺ کو اختیار کرنے کی بجائے "جمہوری عمل" کے پھندے میں گرفتار ہوگئے جس کے نتائج وہ نکلے ہیں جو مغربی ذرائع ابلاغ کی مہیا کردہ ان معلومات سے حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس رپورٹ میں اسلام دشمنی اور مسلمانوں کی دل آزاری کا جو سامان پایا جاتا ہے اسے چھان پھٹک کر نکال دیں تب بھی صورت حال ہمارے لئے یقیناً تشویشناک ہے۔ ہم الجزائر کے مسلمانوں کے حق میں بالعموم اور اسلامی جماعتوں کے سرفروش جانبازوں کے لئے بالخصوص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت' رہنمائی اور نصرت کی دعا کرتے ہیں......ادارہ

ادھر ادھر پھیلے ہوئے شہر الجزیرہ سے ہٹ کر بلند چٹانوں پر واقع ٹوٹے پھوٹے گھروں پر مشتمل نواحی بستی "سٹی جیس" (City Jais) ہے جہاں سے بحیرہ روم کا منظر ناقابل فراموش ہے۔ کچھ اسی طرح سفارت کاروں کے علاقے سے ملحق بحری اڈہ اب کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بن چکا ہے جہاں چالیس سال قبل جنگ آزادی کے دوران فرانسیسی افسروں کے ہاتھوں الجزائری باغیوں پر تشدد ہوتا تھا۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں حکومت کا کوئی کنٹرول نہیں۔ نہ پولیس اسٹیشن' نہ صحت و صفائی کا کوئی بندوبست۔ امن و امان کے سارے معاملات بھی مقامی مسجد میں طے پاتے ہیں۔ بستی میں آنے اور جانے کا ایک ہی راستہ ہے۔

یہ نواحی بستیاں الجزائر کی انتہاپسند اسلامی تحریک کا گڑھ ہیں' جس نے ملک کو خانہ جنگی میں دھکیل رکھا ہے۔ اسلامک سالویشن فرنٹ' (FIS) کے ایک حامی کا کہنا تھا کہ پولیس ادھر آنے کی جرات ہی نہیں کرتی ورنہ بچ کر نہیں جائے گی۔ سٹی جیس سے الجزیرہ کے جنوب میں واقع پہاڑیاں' Mitidja کے زرخیز میدان اور ایسے قرب و جوار ہیں جہاں حالات سے تنگ آکر نوجوان مجاہدین آزادی کی دوسری جنگ لڑ رہے ہیں۔ پہلی جنگ فرانس کے خلاف تھی جو ۶۲-۱۹۵۴ء آٹھ سال جاری رہی اور اس میں اڑھائی لاکھ الجزائریوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ دس لاکھ سفید فام ملک چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئے اور جس کے نتیجے میں فرانس کو اپنی سب سے خوش حال نو آبادی سے محروم ہونا پڑا۔

کہا جاتا ہے کہ حالیہ کشمکش کے دوران پچھلے دو سالوں میں دو سے تین ہزار کے درمیان الجزائری سپاہی' فوجی' بنیاد پرست اور شہری کام آچکے ہیں۔ فرانس کے خفیہ ادارے کی رپورٹ کے مطابق ہر روز پندرہ آدمی اس جنگ میں مارے جارہے ہیں۔ غیر ملکیوں کو خاص طور سے نشانہ بنایا جاتا ہے۔ گزشتہ چار ماہ میں ستائیس غیر ملکی قتل کئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی سرکاری دستے اندرون ملک گشت پر رہتے ہیں اور جس کسی پر "بنیاد پرست دہشت گرد" ہونے کا شک گزرے' گھر والوں سمیت اسے موقع پر ہی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

اس نئی جنگ کی وجہ سے شمالی افریقہ کے کم و بیش سارے ممالک عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ جس طرح ۱۹۷۹ء کے ایرانی انقلاب کے اثرات مشرق وسطیٰ کے ممالک میں پھیل رہے ہیں' اگر الجزائر میں انتہا پسند مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوتی ہے تو ہمسایہ ملک مراکش اور تیونس کا اس سے متاثر ہونا لازمی امر ہے۔ اس کے علاوہ مصر کی حکومت کو جو اپنے ہاں بنیاد پرستی کے خلاف جنگ لڑ رہی ہے' مزید دھچکا لگے گا۔ یورپ و فرانس میں پناہ کی تلاش میں آنے والے ترقی پسندوں کا ریلا آنے سے وہاں موجود تارکین وطن کی بے چینی میں اضافہ ہوگا۔ اسلامی انتہا پسند اور عالم عرب کے مورچہ بند آمر آپس میں نہایت خوفناک جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس خونی تصادم میں ایک طرف زوال سے دو چار فوجی ٹولے ہیں جن کا انحصار مغرب کی امداد پر ہے اور دوسری طرف وہ جوشیلے مسلمان ہیں جو ایک نیا سیاسی نظام برپا کرنا چاہتے ہیں۔

فرانسیسی دانش ور گلس کیپل جسے مسلمان ملکوں کی سیاست پر گہرا شعور حاصل ہے' الجزائر کی صورت حال کو ایک بہت بڑے بحران کا پیش خیمہ تصور کرتے ہیں۔ ان کو اندیشہ یہ ہے کہ الجزائر جغرافیائی اور لسانی طور پر ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گا جس سے نئی حد بندیاں قائم ہوں گی اور نئے کردار ابھریں گے۔ الجزائر کی آبادی کا ستر فیصد حصہ نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ اس اعتبار سے موجودہ کشمکش کو نئی اور پرانی نسل کا تصادم بھی کہا جاسکتا ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوان جنہیں روزگار کے مواقع میسر نہیں' مغربیت زدہ طبقہ اشرافیہ کے خلاف جنگ کو مستقبل کا واحد سہارا تصور کرتا ہے۔ یہ باغی سب نوجوان ہیں۔ FIS کے جو دو راہنما جیل میں ہیں ان میں سے ایک علی بالحاج کی عمر صرف سینتیس (۳۷) برس ہے۔ مسلح اسلامی گروہ (GIA) کا لیڈر ایک پچیس سالہ نوجوان ہے۔ یہ گروہ عورتوں' بچوں سمیت غیر ملکیوں کو قتل کرنے میں بدنام ہے۔ دسمبر میں ایک ڈیم پر کام کرنے والے جن درجن بھر کروشیائی کارکنوں کو قتل کیا گیا تھا' انہوں نے یہ سمجھ کر قاتلوں کو اندر آنے سے نہ روکا کہ یہ پندرہ سولہ سالہ لڑکے کیا خطرہ کھڑا کر سکتے ہیں۔

راہ چلتے ہوئے کوئی بھی غیر ملکی اپنے آپ کو محفوظ محسوس نہیں کرتا۔ تین بچوں کی فرانسیسی ماں جو ایک الجزائری شخص کی بیوی ہے' اس ماہ الجزیرہ کے فرانسیسی کونسل خانے سے کام ختم کرکے واپس آرہی تھی کہ اسے گولیوں کا نشانہ بننا پڑا۔ تیونس سے آئے ہوئے ایک یہودی عینک ساز کو گزشتہ ہفتے قتل کیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ملکی معیشت کے لئے درکار نہایت اہم غیر ملکی ماہرین یہاں سے واپس جا رہے ہیں۔ ایک مغربی سفارت کار کے کہنے کے مطابق الجزائر میں مقیم چھ ہزار فرانسیسی جن کے بیوی بچے یہاں نہیں تھے' دو تہائی تعداد میں واپس جا چکے ہیں۔

الجزائر کی حکومت جس بھونڈے طریقے سے اسلام کے خطرہ سے نپٹ رہی ہے وہ اسلام کی قوت میں اضافے کا باعث بنا ہے اور یہ بات واشنگٹن کے لئے بھی حیرت اور تشویش کا باعث بن رہی ہے۔

اکتوبر ۱۹۸۸ء کے ہنگاموں میں صدر شاذلی بن جدید نے چوتھائی صدی سے قائم پولیس اسٹیٹ کی گرفت نرم کرنے کا آغاز کیا تو امریکہ نے اسے سراہا تھا۔ مگر بن جدید کے مذہبی جماعتوں کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے فیصلے نے جون ۱۹۹۰ء کے بلدیاتی انتخابات میں ایف آئی ایس کی کامیابی کی راہ ہموار کر دی اور بجائے اس کے کہ بن جدید اس وقت تک جب انہیں ابھی کچھ نہ کچھ کنٹرول حاصل تھا عقل سے کام لیتے' انہوں نے دسمبر ۱۹۹۱ء میں قومی پارلیمانی انتخابات کرانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ایف آئی ایس نے ایک بار پھر زبردست کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ فوج نے جنوری ۱۹۹۲ء میں بن جدید کو معزول کر کے ساتھ ہی انتخابات کا اگلا مرحلہ بھی منسوخ کر دیا۔ یورپ اور امریکہ نے کہنے کو تو اس اقدام پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا مگر درحقیقت اس پر سکھ کا سانس لیا تھا۔ اس وقت سے سارے اختیارات فوجی افسروں نے سنبھال رکھے ہیں جن کا سربراہ سابق وزیر دفاع خالد نظار ہے۔ تمام فیصلے خفیہ طور پر کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ فیصلہ کرنے والوں کے نام بھی ظاہر نہیں کئے جاتے۔

اسلامی گروہوں کی مخالف ایک جماعت بربر پارٹی کے راہنما سعید سیدی نے بڑی پتے کی بات کہی کہ "جو حکمران ہیں ان کے پاس اختیارات نہیں رہے اور جن کے پاس اختیارات ہیں انہیں حکومت نہیں مل رہی۔" یہاں تک کہ اخبارات میں بھی حکمران گروہ کو "گولی کی سرکار" یا "مافیا" کا نام دیا جاتا ہے۔ بن جدید کی معزولی کے بعد نظار اور اس کے ساتھیوں نے صدر کی جگہ لینے کے لئے ایک اعلیٰ ریاستی کونسل کھڑی کی تھی۔ الجزائر کی جنگ کے ہیرو بوضیاف کو طویل جلا وطنی سے واپس لاکر کونسل کا سربراہ بنایا گیا مگر انہوں نے آتے ہی اپنی مرضی چلانا شروع کر دی۔ چنانچہ جون ۱۹۹۲ء میں انہیں قتل کر دیا گیا۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ اس کے پیچھے "گولی کی سرکار" کا ہاتھ تھا۔

کلنٹن انتظامیہ نے جو ہیٹی سے بوسنیا اور روس سے لے کر شمالی کوریا تک کئی مسائل میں الجھی ہوئی ہے' الجزائر پر اتنا دھیان نہیں دیا کیونکہ وہ ایک ایسے علاقے میں اپنی ٹانگ اڑانا نہیں چاہتی جسے فرانس اپنے خصوصی اثر و رسوخ کے دائرے میں شامل سمجھتا ہے۔ چنانچہ ڈھنڈورا تو انسانی حقوق اور جمہوریت کا پیٹا جاتا ہے مگر تائید فوجی ٹولے کو ملی کیونکہ مغرب کے خیال میں انسانی حقوق اور جمہوریت کے لئے اسلامی حکومت زیادہ خطرناک ہے۔

امریکہ اس دوران ملٹی نیشنل کمپنیوں کو آگے لانے میں مصروف رہا ہے چنانچہ امریکی سفارت خانے کی رپورٹ کے مطابق "بظاہر یہاں کاروباری ماحول ناپید ہے لیکن امریکی کمپنیوں کو الجزائر میں کاروبار بڑھانے میں خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے"۔ ویسے مغربی الجزائر میں جہاں ایک امریکی کمپنی قدرتی گیس کی پائپ لائن بچھا رہی ہے' اس ماہ کے اوائل میں ایک حملے میں اکٹھے ساٹھ سپاہی مارے گئے ہیں۔

فرانس کی حکومت کا رویہ بھی منافقت پر مبنی ہے۔ الجزائر میں ظلم و تشدد کے خلاف آواز بھی بلند ہوتی رہی ہے اور یورپی برادری سے وہاں کی حکومت کی امداد کی اپیلیں بھی ہوئیں مگر یورپ کی جانب سے ہر طرح کی اخلاقی اور مالی امداد کے باوجود الجزائر کی حکومت چلتی نظر نہیں آتی۔ عوام ابھی تو خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں مگر آنے والا ہر دن ان کے صبر کے پیمانے کو چھلکنے کے قریب لا رہا ہے۔ قدرتی وسائل سے مالا مال یہ ملک دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ دارالحکومت میں یہ حال ہے کہ سامان خورد و نوش کے طلب گاروں کی لمبی لمبی قطاریں روزمرہ کا معمول بن چکی ہیں۔

گزشتہ ہفتے حکومت نے اس امید پر جو قومی کانفرنس منعقد کی تھی کہ ایف آئی ایس یعنی اسلامی نجات پارٹی کو چھوڑ کر دوسری کچھ سیاسی جماعتوں کی حمایت حاصل ہو سکے گی' اس میں تمام نشستیں سرکاری ملازمین سے پر کرنا پڑیں کیونکہ کسی بھی اہم سیاسی جماعت نے اسے اہمیت نہیں دی۔ ظاہر ہے اس سے اسلامی گروہ تقویت حاصل کریں گے لیکن محاذ آرائی میں شدت پیدا ہونے سے ملکی سالمیت کو خطرہ لاحق ہوگا۔

آبادی کا بیس فیصد کے قریب بربر قوم پر مشتمل ہے جن کی بڑی تعداد قبائلی پہاڑی علاقے میں آباد ہے۔ وہ اس جنگ کو اسلامی عرب اور فوج کے درمیان جنگ تصور کرتے ہیں اور اس سے اپنے آپ

کو بالکل الگ تھلگ رکھے ہوئے ہیں۔ جنگ میں شامل کوئی بھی فریق در حقیقت پوری طرح متحد نہیں۔ اسلامی نجات پارٹی میں کسی ایک شخص کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے ہاتھ میں کنٹرول ہے۔ بعض چھاپہ مار گروہ ایسے بھی ہیں جو اپنے طور پر یہ مہم چلا رہے ہیں۔ مسلح اسلامی گروہ جسے ایم آئی اے کا نام دیا جاتا ہے، خاص منظم ہے۔ اس کی قیادت اسلامی نجات پارٹی کے ہاتھ میں ہے لیکن ایک دوسرے بڑے گروہ میں جو جی آئی اے کہلاتا ہے، ہر طرح کے نوجوان شامل ہیں جو کسی بھی نظم کے پابند نہیں۔

ان گروہوں کو شاید کچھ امداد ایران اور سوڈان جیسے ممالک سے مل جاتی ہو مگر ان کا زیادہ تر انحصار اپنے وسائل پر ہے۔ بعض باغی گروہوں نے دیہی علاقوں میں ٹیکس وصول کرنے، اسمگلنگ، بلیک مارکیٹنگ اور یہاں تک کہ منشیات کے دھندے شروع کر رکھے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہم جہاد کر رہے ہیں۔ ایسے چھوٹے چھوٹے گروہ خاصی بڑی تعداد میں ملک کے اندر دندناتے پھرتے ہیں۔ ادھر حکومت اپنی جگہ شکست و ریخت کے عمل سے دوچار ہے۔ نظار کے بارے میں اطلاعات ہیں کہ وہ بیمار ہے اور خیال ہے کہ جلد ہی وہ منظر عام سے روپوش ہو جائے گا۔ بعض اعلیٰ فوجی افسر اسلامی گروپوں کو جڑ سے اکھاڑنے کے درپے ہیں تو بعض "صلح جو" قسم کے افسران بھی موجود ہیں، جبکہ نچلی سطح پر اکثریت اسلامی نجات پارٹی کے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ بعض پورے کے پورے فوجی یونٹ باغی ہو چکے ہیں۔ وزیر دفاع نے حال ہی میں خبردار کیا تھا کہ اگر قومی کانفرنس کامیاب نہ ہوئی تو فوج مداخلت پر مجبور ہو جائے گی لیکن انہیں معلوم ہے کہ اس سے ان کے اندر کے اختلافات کھل کر سامنے آجائیں گے۔ فوج کے اندر یہ تقسیم فرانس کے خلاف جنگ کے وقت سے ہے جب الجزائری آزادی کے لئے لڑنے والی قومی فوج ایک طرف تھی تو دوسری طرف فرانس کی مدمقابل فوج میں بھی الجزائری افسر تک موجود تھے۔

الجزائر کے آزاد خیال دانش ور اور اعتدال پسند سیاست دان سب سے بڑا خدشہ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ فوج کا ایک حصہ کسی وقت بھی اسلام پسندوں کے ساتھ مل سکتا ہے تاکہ حکومت کا تختہ الٹ کر زبردستی اسلامی حکومت قائم کر دی جائے۔ اسلامی نجات پارٹی کے ایک اعلیٰ عہدے دار نے ذاتی طور پر یہ خیال ظاہر کیا کہ بالآخر یہ مسئلہ گفت و شنید کے ذریعے ہی حل ہو گا کیونکہ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو بالکل ختم نہیں کر سکتا۔ انہوں نے بڑے پر اعتماد انداز میں کہا کہ چوٹی کے چند ایک عہدے چھوڑ کر فوج کا اسلامی نجات پارٹی کے ساتھ اتحاد کا امکان موجود ہے۔ جسے بھی اسلامی ریاست کا قیام قبول ہے، ہم اسے خوش آمدید کہیں گے۔

مذہبی انتہا پسندوں کی ممکنہ حکومت، سیاسی انتشار، ظلم و جبر کی شدت اور معاشی جمود۔ جنوبی افریقہ کے لئے ہی نہیں یورپ کے لئے بھی خطرے کا باعث ہیں۔ ماضی میں آنے والے تارکین وطن کے ریلوں سے یورپ کا معاشرتی تانا بانا پہلے ہی بگڑا ہوا ہے، اسلام کی جکڑ بندیوں سے فرار حاصل کرنے والے پناہ گیر اسے مزید درہم برہم کر دیں گے۔ فرانسیسی دانش ور "کپل" کا کہنا ہے کہ ۱۹۸۸ء سے قبل ہمارے ہاں رہنے والے تارکین وطن اسلامی انتہا پسندی کے تصور سے نا آشنا تھے، اب وہی لوگ اقلیت میں ہونے کے باوجود بڑے فخر سے اسلام کی بات کرتے ہیں۔

اسلامی نجات پارٹی کے پیش نظر جو عالمی عزائم ہیں وہ کوئی ڈھکے چھپے نہیں۔ ان کے نزدیک کوئی ایک مسلمان ملک بھی ایسا نہیں جسے وہ جائز اور قانونی حکومت سمجھتے ہوں۔ حال ہی میں جیل سے جناب بالحاج نے کھلے الفاظ میں یہ بات تحریر کی ہے کہ عرب حکمران فلسطین کی سرزمین کا جو سودا کر رہے ہیں، اسے جہاد کے ذریعے واپس لیا جائے گا۔ اگر فوج نے سختی سے اسلامی نجات پارٹی کو دبا نہ دیا ہوتا تو اس کی طرف سے کھلے طور پر عراق، فلسطین کی تنظیم حماس، لیبیا کے اسلام پسندوں اور صومالیہ کی، حتیٰ کہ بوسنیا کی بھی امداد ہوتی۔ بالحاج کا کہنا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب غلام اپنے آقاؤں کا جوا گردن سے اتار پھینکیں گے یعنی مغرب کے خلاف مسلمان اٹھ ہی کھڑے ہوں گے۔

اسلامی نجات پارٹی کے ایک خیر خواہ کہہ رہے تھے کہ الجزائر کے مسلمان کسی سے ڈرنے والے نہیں، انہوں نے اس سے پہلے بھی کئی مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ ڈر صرف دولت مندوں کو ہے کہ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے ملک کو لوٹ کر اور عوام کا خون چوس کر جو دولت جمع کی ہے، وہ ان سے چھن نہ جائے۔ تاہم جس کا حساب صاف ہے اسے کس چیز کا خوف ہو گا۔

الجزائر کے موجودہ حکمرانوں کا معاملہ اب یہ ہے کہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہی۔ جان بچا کر بھاگ بھی نہیں سکتے۔ ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے خودکشی۔OO

بقیہ تجزیہ

نواز شریف کی لڑائی ایک جوا ہے اور اس میں وہ اپنی ساری کمائی ہار بھی سکتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی جنگ کو اس قدر جلد انتہا پر نہ پہنچائیں اور درجہ بہ درجہ فائنل راؤنڈ کی طرف جائیں ورنہ وہ جنگ و جدل کے راستے پر زیادہ دور چلے گئے تو ان کے بہت سے ساتھی اتنی دور نہیں جاسکیں گے اور ممکن ہے کہ وہ تنہا رہ جائیں یا صرف ایک چھوٹا سا ٹولہ ان کے ساتھ رہ جائے۔ جہاں تک قوم کا تعلق ہے، وہ بھی محاذ آرائی سے تنگ آچکی ہے اور امن و سکون کی متلاشی ہے اس لئے لوگوں کا سڑکوں پر آنا مشکل ہو گا اور آ بھی گئے تو انہیں پہلے کی طرح پردہ کے پیچھے کی طاقتوں کی آشیرباد حاصل نہیں ہوگی۔OO

بقیہ :- سیمینار

انقلاب کی راہ ہموار کرے؟ وہ نوجوان ہیں، باہمت انسان ہیں، اللہ کرے وہ کامیاب ہو جائیں لیکن بظاہر احوال تو ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔ مولانا کوثر نیازی کہتے ہیں کہ مریض نسخہ قبول کرنے کو تیار نہیں لیکن اگر ان جیسا باہمت انسان بھی راہ حق سے انحراف کر جائے اور اسلام کو چھوڑ کر سوشلزم میں پناہ ڈھونڈے تو مریض نے تو غفرلہا ہو ہی جانا ہے۔ اللہ کرے کہ یہ سیمینار محض شستند و گفتند و برخاستند بن کر نہ رہ جائے۔OO

ضرورت ہے

ایک رفیق تنظیم کو اپنے تیار ریسٹورنٹ کے لئے مینیجر/پارٹنر کی ضرورت ہے۔ تجربہ کار ہونا ضروری نہیں۔ رفیق تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ: محمد راشد حفیظ۔ قرآن اکیڈمی، ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون ۵-۸۵۶۰۰۳

کو پڑھا اور بعد میں دوسرے نے۔ پھر اپنی زبان میں آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ اضافی باتیں تو اپنے پلے نہیں پڑیں البتہ لفظ "ماحول" کی وہ بار بار گردان کر رہے تھے۔ آخر ہم نے ان سے کہا کہ بھائی اس پرچی کو آگے تو بڑھائیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ پرچی واپس ہمارے ہاتھوں میں پہونچ چکی تھی۔ شاید کسی مسافر کو گوارا نہ تھا کہ وی سی آر بند ہو جائے لہٰذا وہ پرچی بجائے آگے بڑھنے کے واپس آگئی۔ خیر ہم بھی کب ماننے والے تھے۔ جب کنڈکٹر پیسے لینے آیا تو ہم نے وہ پرچی اس کے حوالے کی کہ واپسی میں ڈرائیور کو دیدے۔ پتہ نہیں اس نے پرچی ڈرائیور کو دی یا نہیں البتہ اس بار ہماری تدبیر کارگر نہ ہوئی اور وی سی آر تمام راستے چلتا رہا اور اس سے لطف اندوز ہونے میں بچے خواتین اور جوان تو تھے ہی باریش حضرات بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔

کیا ہوا اگر اس بار ہماری تدبیر کارگر نہ ہوئی' حجت تو پوری کر ہی دی گئی۔ ہم نے سوچا۔۔ ہمارا کام صرف بات کو پہونچا دینا ہے۔ انفرادی طور پر انسان اتنا ہی کر سکتا ہے۔ ہاں البتہ اگر نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کے لئے لوگ آپس میں جڑیں اور ایک پریشر گروپ وجود میں آجائے تو سرکار دو عالم ﷺ کے اس حکم کی تعمیل بھی ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی برائی کو دیکھے تو اگر اس میں طاقت ہو تو اس برائی کے خلاف طاقت کے ساتھ جہاد کرے' اللہ وطن عزیز میں وہ وقت جلد لائے' آمین لیکن جب تک ایسا نہ ہو زبان و قلم کے ذریعے ہی سہی' اس جہاد کو جاری رہنا چاہئے۔ OO

ترکی بھی تبدیلیوں کی زد میں ہے

ترک فوج کے چیف آف سٹاف' جنرل دوگان گرس Dogan Gurse کے لئے یہ بات غم و غصے اور حیرت کا باعث بنی ہے کہ کچھ حقیر لوگ ترک فوج کے کمانڈروں کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانے کے لئے جمہوریت کو استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ ان میں محض "بودے اور بونے" قسم کے لوگ شامل ہیں۔ یہ بات انہوں نے ایک کمانڈو بریگیڈ سے باتیں کرتے ہوئے کہی۔ جنرل صاحب نے اگر کسی قدر ضبط سے کام لیا تھا تو ان کے بیٹے' سردار گرس نے بغیر کسی لگی لپٹی کے روزنامہ سباح' کو بتایا کہ کسی وزیر کو یہ جرات کیسے ہو سکتی ہے کہ چیف آف سٹاف کو حکم دینے لگے۔ ایک کریانہ فروش کل کو وزیر دفاع بن جاتا ہے تو کیا وہ چیف آف سٹاف کو اپنا ماتحت سمجھنے لگے گا!

ترکی میں آئندہ چند ماہ میں حالات کیا رخ اختیار کرنے والے ہیں اس کا ایک ہلکا سا جو نقشہ سامنے آتا ہے اس کے مطابق موجودہ "راہ حق" اور "وفاق عوام پارٹی" کی شرکت سے قائم حکومت کا چل چلاؤ نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ سابق سوشل ڈیموکریٹ وزیر اعظم بلند ایجوت کا مستقبل بھی زیادہ روشن دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ صدر سلمان دیمرل اور مدرلینڈ پارٹی کے راہنما مسعود یلمز کے لئے موقع سے فائدہ اٹھانے کا امکان پایا جاتا ہے مگر صرف ایک مختصر عرصہ کے لئے۔ جہاں تک "بنیاد پرستوں" کا معاملہ ہے' (اسلامی) رفاہ پارٹی کے رہنما جناب نسیم الدین اربکان ۱۹۹۴ء میں سیاسی طور پر آگے آئیں گے ...... ترکی کے سارے اسلامی عناصر کو یکجا کرنے میں کامیاب ہوں گے لیکن اس کے بعد اپنے ہی لوگوں سے دھوکہ کھا کر زندگی کی بازی ہار جائیں گے۔ ۱۹۹۵ء میں ترکی کی سیاست ان کے نام سے خالی ہوگی' ممکن ہے اس کے لئے باقاعدہ کوئی منصوبہ بندی نہ کی گئی ہو لیکن اشاروں سے اس بات کا عندیہ ملتا ہے۔ خفیہ اداروں کا یہ طریقہ کار ہے کہ وہ پہلے "سیاسی پیشین گوئیاں" آگے لاتے ہیں اور وقت آنے پر انہیں حقیقت کا جامہ پہنا دیا جاتا ہے۔ گزشتہ ماہ برسلز میں نیٹو کے سربراہی اجلاس کے دوران سی۔ آئی۔ اے کی جانب سے وزیر اعظم تانسو چلر کو کرد دہشت گردوں کے حملے سے خبردار کیا جا چکا ہے۔ اربکان پہلے ہی ۲۸/ دسمبر کو ہیلی کاپٹر کے ایک حادثہ سے دو چار ہو چکے ہیں اور استنبول میں رفاہ پارٹی کے دفتر پر نقاب پوشوں کے بموں سے حملے' آنے والے واقعات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(ماخوذ از امپیکٹ انٹرنیشنل۔ لندن)

آؤ' ہماری بربادی کا تماشا تو دیکھ لو

سرائیوو سے مسلم رہنماؤں کے نام ایک خط

آیت اللہ خامینائی
امام شیخ جاد الحق علی جاد الحق' الازہر۔
محمد نوری یلمز' محکمہ مذہبی امور' ترکی۔
ڈاکٹر احمد محمد علی' سیکرٹری جنرل' مسلم ورلڈ لیگ۔

اپنے مسلمان بھائیوں سے ملاقاتیں کرنے کے بعد ہم بڑی امیدیں لئے واپس سرائیوو آ چکے ہیں' جہاں جسموں سے بہتا لہو اور آنکھوں سے جاری آنسو ہماری راہ تک رہے تھے۔ عیسائیوں کی مسلسل گولہ باری کا نشانہ بننے والے بے گناہ شہری' عورتیں' معصوم بچے اور غموں سے نڈھال مائیں' بہنیں' بھائی ...... ایسی وحشیانہ درندگی کا مظاہرہ شاید ہی دنیا نے کبھی دیکھا ہوگا۔ (سرائیوو میں قبروں کے لئے جگہ باقی نہ رہنے کی وجہ سے نعشوں کو جلانے کا فیصلہ۔ ۸/ فروری ۹۴ء کے اخبارات کی خبر)

ہم بطرس غالی اور یورپ کے نام نہاد امن کے علمبرداروں کے در کی ٹھوکریں کھاتے کھاتے عاجز آ چکے ہیں' یہاں نظر بندی کیمپوں میں ٹھونسے گئے سسکتے بلکتے بچے انہیں نظر آتے ہیں نہ بے گناہ لوگوں کی چیخیں سنائی دیتی ہیں۔ ان جھوٹے اور دھوکہ باز سربراہان عالم کی امداد سے موت اچھی۔

آپ کو اپنا بھائی سمجھ کر کہہ رہے ہیں کہ آکر یہ تو دیکھ لو کہ کس طرح آئے دن ہم قتل ہو رہے ہیں' صرف اس لئے کہ عیسائی دنیا ہمیں مسلمان شمار کرتی ہے۔

ڈاکٹر مصطفےٰ آفندی جامیرک سرائیوو۔

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام

۱۹ فروری بروز ہفتہ

فحش عید کارڈوں کی وبا کے خلاف

●

خاموش مظاہرہ

●

بمقام ناصر باغ' لوئر مال لاہور

مظاہرے کا آغاز ۳ بجے سہ پہر ہوگا اور نماز عصر تک مسلمان بھائیوں کی دینی حس اور ملی غیرت کو بیدار کرنے کی یہ کوشش جاری رہے گی جس کے دوران تنظیم اسلامی کے مقامی قائدین کی تقاریر بھی ہوں گی۔

ہر اس شخص کو مظاہرے کا حصہ بن جانے کی دعوت دی جاتی ہے جو نظم و ضبط کی پابندی قبول کر سکتا ہو۔

المعلن: ناظم تنظیم اسلامی حلقہ لاہور